بیاد

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کا

علمی و دینی مجلہ

الحق

ماہنامہ

صفر، ربیع الاول ۱۴۲۴ھ مئی ۲۰۰۳ء

مدیر مسئول

مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم ! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی ودینی ہمہ گیر خدمات سے بحمداللہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک وبیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جوکہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف سوا کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب واہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یوبی ایل اکوڑہ خٹک 7 -01 — نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 5 - 17

مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 721

Email: haqqania@nsr.pol.com.pk (OR) haqqania@hotmail.com

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ------ 38
شمارہ نمبر ---- 8
صفر، ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
مئی ----- ۲۰۰۳ء

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر
حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: ایل او ایف پر حکومت اور اپوزیشن کے مذاکرات، توقعات اور خدشات۔

مرزا طاہر کی موت	راشد الحق سمیع حقانی	۲
ماہیت باریٔ تعالیٰ پر ایک نظر	حضرت علامہ محمد شہاب الدین ندویؒ	۵
عہد فاروقی کا معاشرتی نظام	حکیم سید محمود احمد سروسہارنپوری	۱۸
افغانستان اور علاقائی سلامتی کے تقاضے	جناب جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ	۲۴
مولانا اشرف علی تھانوی بطور شارح حافظ شیرازی	پروفیسر محمد یونس میو	۳۰
دعوت و تبلیغ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فضیلت	حضرت مولانا انوار الحق	۴۴
سلام کی شرعی اہمیت و فضیلت	ڈاکٹر دلشاد بیگم	۵۱
دار العلوم کے شب و روز	جناب شفیق الدین فاروقی	۵۷
تبصرہ کتب	م۔ا۔ف	۵۸

ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر: 630340 , 630435 -(0923)
ای میل نمبر: E Mail : haqqania@nsr.pol.com.pk Or haqqania@hotmail.com
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/20 روپے سالانہ =/200 روپے، بیرون ملک $20 امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

Computer Operator : BABER HANIF

ایل ایف او پر حکومت اور اپوزیشن کے مذاکرات

توقعات اور خدشات

پاکستانی قوم اس لحاظ سے نہایت بدقسمت واقع ہوئی ہے کہ اسے کبھی بھی مکمل سیاسی استحکام میسر نہیں رہا۔ آزادی سے لے کر آج تک کی تاریخ کا ذرا بغور جائزہ لیں تو اس سوختہ سامانی پر ماتم کرنے کو دل کرتا ہے کہ اس معصوم قوم کے ساتھ جمہوریت' فوجی نظام حکومت' اور اسلام کے نام پر کیسے کیسے دھوکے اور فراڈ کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عوام اپوزیشن او رحکومت کے مابین متنازعہ ایل ایف او کے مسئلہ پر جاری مذاکرات اور اس سے پہلے کی پارلیمنٹ میں جاری رسہ کشی کے کھیل سے الگ تھلگ اور بیزار ہی رہے ہیں۔ کیونکہ ان کیلئے ماضی کے تجربات کسی عذاب سے کم نہیں۔ کیونکہ انہوں نے گزشتہ ادوار میں ہر دلکش وعدے اور ہر دلفریب نعرے پر دل و جان سے نہ صرف لبیک کہا بلکہ ہر لیڈر اور رہنما کو اپنے لئے کسی خضر و سکندر سے کم نہیں سمجھا۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اور قوم نے ''جمہوریت' اور سیاسی استحکام کیلئے اتنی قربانیاں دیں اور اتنی تحریکوں کا ساتھ دیا کہ اب انکے پائے استقامت شل ہو گئے ہیں ان کے حوصلے ٹوٹ گئے ہیں اور آہنی عزائم ریزہ ریزہ ہو گئے ہیں اور تو اور اس ہنگاموں میں یہ اپنی پہچان اور خودی کو بھی گنوا بیٹھے۔

تھک تھک کہ ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو لاچار کیا کریں

انہیں ''رہبران ملت اور غمخوارانِ قوم'' نے اتنے دھوکے اور دکھ دیئے ہیں کہ وہ اب اس ملک میں رہتے ہوئے بھی خود کو اجنبی اور پردیسی سمجھتے ہیں۔ ہماری اربابِ اقتدار اور متحدہ اپوزیشن اور خصوصاً متحدہ مجلس عمل کے قائدین سے یہ ہمدردانہ گزارش ہے کہ خدارا اس بار ملک وملت کی جھولی میں کچھ نہ کچھ ضرور ڈالیں اور انکی دہائیوں سے وابستہ امیدوں کا کچھ نہ کچھ مداوا ضرور کیجئے کہ یہ بیچاری جاں بلب قوم بار بار کی ڈسی ہوئی ہے انہیں مزید صدمات سے دوچار نہ کیجئے۔

اب ایک بار پھر ملک میں تین سال کی فوجی حکومت کے بعد بڑی مشکلوں سے جمہوریت کی کلی کھلی ہے اور پژمردہ دلوں کو مجلس عمل کی صورت میں ایک نئی نوید جانفزا اور حیاتِ نو ملی ہے، خدارا ! اب کے باران کا خون ہونے سے بچائیں اور اسے اپنی اپنی اناؤں کے مندر کی بھینٹ نہ چڑھنے دیں۔

دونوں فریقوں کو چاہیے کہ کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر اس معاملہ کی گتھی کو خوش اسلوبی اور ٹھنڈے دل و دماغ سے سلجھائیں اسی میں آپ سب کی اور ملک وملت کی بہتری ہے۔ ہماری نظر میں اربابِ اقتدار اور متحدہ اپوزیشن دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ اگر کسی بھی جانب سے کشتی میں سوراخ کیا گیا تو پھر سب کے سب مسافر ڈوب جائیں گے۔ یہ خیال کسی بھی فریق کو مست نہ کرے کہ وہ اس حادثے کے بعد محفوظ رہے گا۔ اسی طرح متحدہ مجلس عمل کے قائدین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اصل ایجنڈے کی طرف رجوع کریں کیونکہ قوم اور ملت نے انہیں ملک وملت کی بھلائی اور اپنی سوئی ہوئی تقدیر کو جگانے کیلئے منتخب کر کے بھیجا تھا لیکن افسوس صد افسوس گزشتہ چھ سات ماہ سے ان کی ساری توانائیاں اور تگ ودو ایل ایف او تک ہی محدود رہیں۔ حالانکہ یہ دردسر پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ن) اور دیگر ''جمہوریت کی علمبردار'' پارٹیوں کا ہے۔ جنکی قیادت ایل ایف او سے متاثر ہوئی ہیں اور پارلیمنٹ میں ڈیسک بجانا اور ہلڑ بازی کرنا بھی انہیں پارٹیوں کا شیوہ اور ثقافت رہا ہے نہ کہ جبہ اور دستار سے مزین علماء کرام کا شیوہ ہے۔ احتجاج کا باوقار طریقہ یہ تھا کہ مجلس عمل تمام اجلاسوں کا بائیکاٹ کرتی اس طرح اس کا احتجاج بھی ریکارڈ پر رہتا اور اس کے وقار میں بھی کمی نہ ہوتی۔ اسی طرح جنرل مشرف اور برسر اقتدار جماعتوں نے بھی ہٹ دھرمی اور انا پرستی سے جمہوریت اور ملک کے سیاسی اور اقتصادی صورتحال کو انتہائی آلودہ بنا دیا ہے اور بظاہر یہی نظر آرہا ہے کہ مستقبل میں بھی اپوزیشن اور حکومت دریا کے دو کنارے ہی ثابت ہوں گے۔ دونوں جانب افہام وتفہیم اور ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا جذبہ زوروں پر ہے۔ جو جمہوریت اور قوم کیلئے کوئی نیک شگون نہیں۔ سات آٹھ ماہ کے محاذ آرائی کے بعد اب مذاکرات کی سبیل نظر آئی ہے خدا کرے کہ یہ بیل منڈھے چڑھے۔ اگر حکومت واجپائی اور ہندوستان کیساتھ لچک کا مظاہرہ کر سکتی ہے تو اسکے مقابلے میں اپوزیشن تو اپنی ہی قوم اور ملک کے لوگ ہیں۔ انہیں کیوں دیوار سے اب تک لگایا گیا؟ اور ان کے قانونی اعتراضات کو کیوں اب تک درخور اعتنا سمجھا گیا؟ اس شور شرابے میں اسمبلیوں کے توڑنے کی بات بھی ہو رہی ہے۔ یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں اور نہ ہمارا قومی خزانہ بار بار انتخابات کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اس سے اقوام عالم میں پاکستان کی پارلیمنٹ اور جمہوری نظام کو بازیچہ اطفال سمجھا جائے گا۔ اب دونوں فریقوں کو چاہیے کہ وہ حکمت عملی، تدبر، سیاسی بصیرت، بالغ نظری، اور سنجیدگی کا مظاہرہ کریں اور ان مذاکرات کو بامقصد بنائیں تاکہ جمہوریت کی گاڑی رواں دواں ہو اور عوامی توقعات کی برآوری اور ملکی ترقی کیلئے راہ ہموار ہو سکے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

آنجہانی مرزا طاہر کی موت

قادیانیوں کے مذہبی رہنما مرزا طاہر 19 اپریل 2003ء کو لندن میں مر گئے۔ یہ رشتہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے اور قادیانی فرقے کے چوتھے مذہبی پیشوا تھے۔ ان کی شخصیت اور کردار مسلمانوں کے لئے ابتداء ہی سے انتہائی دلآزار رہا۔ امت مسلمہ کے ہر نازک موقعہ پر انہوں نے اور خصوصاً اہل سنت والجماعت کے اکابرین کی شہادتوں اور وفیات پر خوشی اور شادمانی کے ترانے گائے اور جب تک زندہ رہے پاکستان کے خلاف سازشوں اور ہرزہ سرائی میں مصروف رہے اور ملک کے مقتدر اداروں اور اعلیٰ عدالتوں کے خلاف مسلسل اٹھارہ برس تک زہر افشانی کرتے رہے۔ اسی وجہ سے آپ پر پاکستان کے مختلف شہروں میں مقدمات درج ہیں۔

مئی 1974ء میں ربوہ سٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر جو پرتشدد حملہ ہوا تھا اور اس کے پس منظر میں پھر بھرپور تحریک ختم نبوت چلی تھی اس تشدد کی سرپرستی اور نگرانی مرزا طاہر نے ہی کی تھی۔ قادیانیوں کو پارلیمنٹ سے غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر آپ پاکستان سے بھگوڑے ہو گئے تھے اور اس دوران یہود و ہنود اور دیگر اسلام دشمن طاقتوں سے روابط استوار رکھے۔ پھر انہوں نے اپنا مرکز لندن میں قائم کیا اور وہیں سے پوری دنیا میں فتنہ قادیانیت کی ترویج کے لئے سازشیں کرتے رہے اور برطانیہ کی حکومت کے ساتھ مل کر عالم اسلام کے خلاف ایک سٹیلائٹ چینل قائم کیا جو دن رات مسلمانوں کی کردار کشی اور اسلامی حقائق کے مسخ کرنے میں پیش پیش رہتا ہے۔ مرزا طاہر ہر روز اس چینل پر فتنہ قادیانیت کی تبلیغ کرتے رہتے' اور علماء حق و ختم نبوت کے پروانوں کے خلاف زبان درازی کرتے رہتے۔ انہوں نے چیلنج کیا تھا کہ ایک دن وہ پاکستان میں واپس آ کر پارلیمنٹ کا تاریخی فیصلہ کالعدم قرار دیں گے اور پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ میں تبدیل کر دیں گے۔ لیکن یہ اپنے سینے میں بہت سے ارماں اور حسرتیں لے کر وہاں پہنچ گئے جہاں مسیلمہ کذاب اور دیگر دجالین ان کا استقبال کریں گے اور انہیں اپنے خراب عقیدے اور فاسد نظریات کا جواب دینا ہوگا

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

اسلام اور ختم نبوت کا یہ شجرہ طوبیٰ تا قیامت پھیلتا' پھولتا ' پھلتا اور بارآور ہوتا رہے گا اور ان جیسے کئی مسیلمے اور مرزے بھونکتے اور یونہی بے آبرو ہو کر مرتے رہیں گے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

قسط نمبر (2) حضرت علامہ محمد شہاب الدین ندویؒ *

ماہیت باریٔ تعالیٰ پر ایک نظر
قدیم و جدید نظریات کی روشنی میں

مادہ اور ضد مادہ

اور پھر یہی نہیں کہ ہماری دنیا کا مادہ ایک سرِّ نہاں یا ایک معمہ ہے بلکہ خود ہمارے مادہ سے مختلف خصوصیات رکھنے والا ایک ''ضد مادہ'' بھی ہماری ہی کائنات میں موجود ہے، جسے ''اینٹی میٹر'' (۳۴) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بیسویں صدی کی تحقیقات کے مطابق اس ضد مادہ میں جو مرکزائی ذرات موجود ہیں، وہ عام مادے میں موجود ذرات (الکٹرانوں، پروٹانوں اور نیوٹرانوں) کی ضد اور مخالف برقی چارج رکھنے والے ہیں۔ یعنی ضد مادہ میں موجود الکٹران ہمارے معروف الکٹران کے برعکس مثبت برقی چارج رکھنے والا اور اسی طرح ضد مادہ کا پروٹان بجائے مثبت کے منفی چارج رکھنے والا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ عام مادہ اور ضد مادہ دونوں باہم مل کر نہیں رہ سکتے۔ بلکہ جیسے ہی وہ ایک دوسرے سے قریب ہوں گے، ایک سکنڈ سے بھی کم وقفے میں ایک دوسرے کو نیست و نابود کر دیں گے۔ اور اس کے نتیجے میں ایک بہت بڑی مقدار میں توانائی (انرجی) وجود میں آئے گی۔

چنانچہ سائنس دانوں کا اندازہ ہے کہ بعض بعید ترین کہکشائیں مکمل طور پر ضد مادہ پر مشتمل ہوسکتی ہیں۔ نیز اس کا بھی امکان ظاہر کیا گیا ہے کہ ہماری معروف کائنات ہی کی طرح ایک ایسی ''ضد کائنات'' کا بھی وجود ہوسکتا ہے، جو ضد کہکشاؤں، ضد ستاروں اور ضد سیاروں پر مشتمل ہو۔

It has been suggested that some distant galaxies may be composed entirely of antimatter .... and the existance of antiuniverse consisting of antigalaxies, antistars, and antiplanets is possible.(35)

اس اعتبار سے گویا اب خود سائنس داں ہی ہماری اس معروف کائنات سے ماوراء ایک دوسری کائنات کے

* بانی، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور، انڈیا

وجود کا اعتراف کرنے پر مجبور نظر آ رہے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ اس قسم کی کتنی مزید پر اسرار کائناتیں موجود ہوں گی جو ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔

غیر مرئی مادہ

اسی طرح اکتشافات جدیدہ کی رو سے ایک مزید حقیقت یہ بھی سامنے آئی ہے کہ ہماری کائنات کے مادے کا بہت بڑا حصہ ''غیر مرئی'' ہے، یعنی وہ جو نظر نہیں آتا۔ اسے ''سیاہ مادہ'' یا ڈارک میٹر (۳۶) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ سائنس دانوں کی تصریح کے مطابق اس کی کافی شہادتیں موجود ہیں۔

However, there is convincing evidence that most of the matter in universe is not visible. This unvisible matter is called dark matter. [37]

مادہ کی چوتھی شکل

نیز اس کے علاوہ مادہ کی تین معروف شکلوں (ٹھوس، مائع اور گیس) کے علاوہ ایک چوتھی شکل بھی پائی جاتی ہے، جسے ''پلازما'' (۳۸) کہا جاتا ہے۔ اور یہ الکٹرانوں اور پروٹانوں کا ایک ڈھیر یا جوہروں (ایٹموں) کی ''کچلی ہوئی'' شکل ہے۔ یعنی ایک ایسا مادہ جس میں الکٹرانوں کو پروٹانوں سے الگ کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ جب کسی ٹھوس مادہ (جیسے برف) کو چھ ہزار ڈگری سینٹی گریڈ یا سیلسیس تک گرم کیا جائے تو وہ بالترتیب پہلے سیال، پھر گیس اور پھر پلازما کی شکل اختیار کر لے گا۔ اور یہ مادہ عناصر یا جواہر کا مجموعہ نہیں بلکہ ''ٹوٹے ہوئے'' جواہر کا ایک ''بے ترتیب'' ڈھیر کہلاتا ہے۔ اور اس عمل کو اصطلاح میں ''رواں سازی'' یا آیوانی زیشن (۳۹) کہا جاتا ہے، جو ایک مصنوعی عمل ہے۔ مگر نظام عالم میں پلازما قدرتی طور پر بھی وسیع مقدار میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً ستاروں میں پایا جانے والا اونچی تپش کا مواد بھی پلازما ہے (۴۰) اور ان میں ہمارا سورج بھی شامل ہے۔ اسی طرح سیاروں کا بیرونی فضائی کرہ (ایٹموسفر) بھی پلازما پر مشتمل ہے (۴۱)۔ اور اندازہ لگایا گیا کہ ہماری کائنات میں پائے جانے والے جملہ مادے کا ۹۹ فیصد حصہ پلازما پر مشتمل ہے۔

It is estimated that over 99 percent of the matter in the universe exists in the plasma state. Most of the bright stars - including sun - are examples of the plasms state. [42]

کواسر جہنم کا ایک نمونہ

نیز ان کے علاوہ ہماری کائنات میں سیاہ سحابیہ (Dark Nebulae) بلیک ہول (Black Hole) کواسر (Quasars) پلسار (Pulsar) دوہرے ستارے (Double Stars) سرخ دیو (Red Giant) اور سفید بونا (White Dwarf) وغیرہ متعدد قسم کے حیرت انگیز مظاہر قدرت بھی پائے جاتے ہیں، جو انسان کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کیے ہوئے ہیں۔ اور ہماری کائنات کی وسعت سے سر چکرانے لگتا ہے۔ ان سب کی تفصیل کا یہ موقع

نہیں ہے۔مگر پھر بھی کواسر کی ماہیت پر تھوڑی سی روشنی ڈالی جاتی ہے جو حقیقتاً دہکتی ہوئی جہنم کا ایک نمونہ ہونے کے علاوہ انتہائی بعید ترین فاصلے پر واقع ہیں۔

بہت سے کواسروں کی جسامت ہمارے نظام شمسی کی جسامت (اپنے مدار سمیت) کے برابر ہے۔مگر ان کی تپش ہمارے سورج سے دس کھرب گنا زیادہ ہے۔اکثر ماہرین فلکیات کا یقین ہے کہ ہماری کائنات میں دریافت شدہ مظاہر میں کواسر سب سے زیادہ دوری پر ہیں۔چنانچہ ان میں سے بعض ہماری زمین سے سولہ ارب نوری سال کی دوری پر واقع ہو سکتے ہیں۔

Most quasars may be about the size of the solar system. But they can be trillion times brighter than the sun. Many astronomers beleive quasars are the most distant objects yet detected in the universe. Some may be as far as 16 billion light-years from the earth. (43)

واضح رہے ہمارے سورج کی اندرونی تپش ڈیڑھ سے دو کروڑ ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔اب اسے دس کھرب سے ضرب دیجئے تو ایک محیر العقول عدد ہمارے سامنے آئے گا۔اور اس قدر زبردست تپش و حرارت کا راز کیا ہے؟ اس کی حقیقت ابھی تک سامنے نہیں آسکی ہے۔غرض اب تک پانچ ہزار کواسر دریافت کئے جا چکے ہیں۔اور ان کی دریافت سب سے پہلے ۱۹۵۰ء کے دہے میں ہوئی (۴۴)۔ کواسروں کی دو تصویریں آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا میں دیکھی جا سکتی ہیں جو دوربینوں کی مدد سے اتاری گئی ہیں (۴۴)۔ روشنی ایک سکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔اس حساب سے وہ ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال (لائٹ ائیر) کہا جاتا ہے۔اس سے آپ کواسروں کے بعید ترین فاصلے کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

سائنس دانوں کی حیرانی

یہ وہ حقائق ہیں جو جدید سائنس دریافت کر رہی ہے۔اور نہیں معلوم کہ ہماری اس کائنات میں کتنے ایسے رازہائے سربستہ موجود ہیں اور ہماری کائنات کے ماوراء ایسی کتنی مزید کائناتیں واقع ہیں جو ہماری معلوم کائنات سے یکسر مختلف ہو سکتی ہیں۔مگر قدیم فلاسفہ اور ان کی اتباع کرنے والے متکلمین نے بغیر علم صحیح یا تجربے و مشاہدے کے محض فتوے بازانہ انداز میں اس طرح دعوے کر دئے گویا کہ انہوں نے ساری کائنات چھان ماری ہو۔

بہر حال مادہ کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ نیز یہ کہ ہماری اس معلوم کائنات میں مادہ کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کی خصوصیات کیا ہیں؟ انسان انہیں بالکل نہیں جانتا۔ بلکہ وہ جو کچھ بھی جانتا ہے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود مادے کے چند ظاہری خواص ہیں۔ورنہ اس کی اندرونی کیفیت یا باطنی خواص سے (جو عالم غیب سے متعلق ہیں) پوری دنیائے سائنس ناواقف ہے۔چنانچہ یہ ایک مانی ہوئی اور مسلمہ حقیقت ہے کہ سائنس کسی بھی چیز کی مکمل صداقت

بیان نہیں کرسکتی۔ جیسا کہ عصر جدید کے ایک نامور فلسفی (سی،ای،ایم جوڈ) نے صاف صاف اعتراف کیا ہے:

Science is compitent to tell us something about every thing but it cannot tell us the whole truth about anything. (46)

قدیم فلاسفہ کی لن ترانیاں

ظاہر ہے کہ جب جدید سائنس باوجود اپنی ہمہ گیر ترقی اور تحقیق و تجربے کے کسی بھی چیز کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ اور کوئی یقین آور بات کہنے کے موقف میں نہیں ہے تو پھر ہزاروں سال پہلے کے فلاسفہ کس حساب میں آتے ہیں جو مادے سے متعلق کسی حقیقت وصداقت کا حتمی طور پر فیصلہ کردیں یا کوئی ''فتویٰ'' صادر کردیں؟ رویت ومشاہدہ اور تحقیق و تجربہ تو ان کے یہاں ''مکروہ تحریمی'' کی حد تک ممنوع تھا۔ وہ صرف ظن وقیاس سے کام لیتے ہوئے محض خیالی نظریات قائم کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے انتہائی جسارت کے ساتھ موجودات عالم کو ''واجب'' اور ''ممکن'' دو اقسام میں تقسیم کرتے ہوئے خدائے عظیم کو ''بسیط'' یعنی غیر مرکب یا ایک حقیر ترین شے قرار دینے کا ارتکاب کیا۔ اور اس سلسلے میں ایسے عقیدے ایجاد کیے گویا کہ انہوں نے پوری کائنات کا سروے کرکے خداوند قدوس تک کا بھی مشاہدہ ومعائنہ کرلیا ہو۔ معاذ اللہ۔ اور پھر فلسفہ زدہ لوگوں نے خدائے جل جلالہ کی حقیقت ہی مشتبہ کردی، گویا کہ اس کا وجود وعدم دونوں برابر ہے۔ اعاذ نا اللہ تعالیٰ من هذه الخرافات۔

واقعہ یہ ہے کہ یونانی ''افلاک'' کی دنیا انتہائی محدود تھی جو ''سات سیاروں'' اور چند ستاروں پر مشتمل تھی۔ اور ان کی نظر میں یہ سب ستارے وسیارے افلاک میں جڑے ہوئے تھے، جو شیشے کی طرح شفاف تھے۔ یہ افلاک تعداد میں نو تھے، جن کے اس پار کوئی چیز موجود نہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ اور یہ افلاک اُن کی نظر میں ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتے تھے اور وہ عقل وشعور سے متصف اور متحرک بالارادہ قرار دئے گئے۔ نیز یہ کہ کرۂ قمر سے نیچے جتنے بھی اجسام (موالید ثلاثہ) موجود ہیں وہ عناصر اربعہ سے مرکب مانے گئے (۴۷) یہ تھی یونانیوں کی تصوراتی کائنات جواب ایک داستان پارینہ بن چکی ہے۔

متکلمین کے موقف پر ایک نظر

یہ تھا مختلف اسلامی فرقوں کے عقائد ونظریات کا خلاصہ اور تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں ان کا جائزہ۔ اس بحث سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہوگئی کہ سلف صالحین کا مسلک ہی قرآن اور حدیث سے قریب ہے۔ چنانچہ ان دونوں کی تعلیمات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذات باریٔ تعالیٰ کا شخصی وجود ضرور ہے اور اس کی عظیم ترین ہستی اپنے پیکر میں جلوہ افروز ہے۔ وہ حی وقیوم ہے اور اسی کے سہارے پوری کائنات قائم ہے، جو اسے تھامے ہوئے ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا﴾ وہ تمام مخلوقات سے نرالا اور بے مثال ہے۔ ایسی عظیم ترین ہستی

ایک جوہر سے بھی کمتر یا لاشے نہیں ہوسکتی۔ مگر اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا صحیح علم بندوں کو نہیں دیا گیا۔

توحید باری کا عقیدہ دین کی بنیاد ہے اور اس کی صحت ہی کی بنیاد پر بقیہ تمام عقائد کی صحت موقوف ہے۔ لہٰذا اگر یہ غلط ہو جائے تو پھر سارے عقائد غلط ہو جائیں گے۔ مگر معتزلہ نے اپنا ''نظریہ توحید'' یعنی ''نفی ذات'' کا صور اتنی بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا کہ ان کے بعد والے تقریباً تمام متکلمین اسلام، جن کا تعلق اہل سنت والجماعت سے تھا، انہوں نے بھی معتزلہ کے ''دلائل'' کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے اور انہیں کی بولی بولنے لگے۔ چنانچہ آج دنیائے اسلام میں عقائد و کلام کی جتنی بھی کتابیں موجود ہیں، تقریباً سب کی سب معتزلہ کے عقیدے ہی کی ترجمانی کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) جوہر نہیں ہے، وہ جسم نہیں ہے، وہ عرض نہیں ہے اور وہ کسی جہت میں نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

بلکہ متاخرین اشاعرہ نے تو حد کر دی کہ وہ معتزلہ کے اس مردود عقیدے پر متفق ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر نہیں آسکتا۔ (۴۸)

غرض اس موقع پر بات کو طول دینے کے بجائے بعض ائمہ اسلام کی تصنیفات سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ انہوں نے عقیدہ سلف کی ترجمانی کرنے کے بجائے معتزلہ ہی کی پیروی کی ہے۔

امام غزالی کے دعوے

چنانچہ امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) جیسے جلیل القدر عالم (جو حجۃ الاسلام کہلاتے ہیں) بھی اسی رو میں بہہ گئے ہیں۔ جیسا کہ وہ تحریر کرتے ہیں: ہم جانتے ہیں کہ ہر موجود چیز یا تو متحیز (کسی جگہ میں قائم) ہوگی یا غیر متحیز ہوگی۔ اور یہ کہ ہر متحیز جس میں ائتلاف (جوہری ترکیب) نہ ہو تو ہم اسے جوہر فرد کہیں گے (۴۹)۔ اگر وہ دوسرے (جوہر فرد) کے ساتھ مرکب ہو تو ہم اسے جسم ۵۰ قرار دیں گے۔ اب رہا غیر متحیز (جو کسی مکان یا جہت میں نہ ہو) تو وہ یا تو اپنے وجود کے لئے کسی جسم کا طالب ہوگا، جس کے ساتھ وہ قائم رہ سکے، تو اسے ہم ''اعراض'' کہیں گے۔ ورنہ اگر وہ کسی دوسرے جسم کا طالب نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ موصوف کی اصل عبارت یہ ہے:

ثم نعلم أن كل موجود إما متحيز أو غير متحيز. وأن كل متحيز إن لم يكن فيه ائتلاف فنسميه جوهرًا فردًا. إن ائتلف إلى غيره سمّيناه جسمًا. وإن غير المتحيز إما أن يستدعي وجوده جسما يقوم به ونسميه الأعراض، أو لا يستدعيه وهو الله سبحانه وتعالى. (۵۱)

اس اعتبار سے گویا کہ اللہ تعالیٰ ''جگہ گھیرنے والی'' یا کسی مکان میں ''قائم'' ہستی نہیں ہے۔ گویا کہ وہ کوئی ''شے'' یا جسم بالکل نہیں ہے۔

اور دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں کہ: ذات باریٔ تعالیٰ پر نظر ڈالنا: تو ہم اس بارے میں اس کے وجود کی وضاحت اس طرح

کریں گے کہ وہ قدیم ہے، وہ باقی ہے، وہ جوہر نہیں ہے، وہ جسم نہیں ہے، وہ عرض نہیں ہے، وہ کسی حد میں محدود نہیں ہے، اور کسی جہت میں مخصوص نہیں ہے، نیز یہ کہ وہ دکھائی دے گا، جیسا کہ معلوم ہے۔ اور یہ کہ وہ واحد ہے۔

النظر في ذات الله سبحانه و تعالى ۔ فنبين فيه وجوده۔ و أنه قديم، و أنه باق و أنه ليس بجوهر، و لاجسم، و لاعرض، و لامحدود بحد، و لاهو مخصوص بجهة، و أنه مرئي كما أنه واحد۔(۵۲)

ظاہر ہے کہ یہ سب ادعائی باتیں اور بے بنیاد دعوے ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب باریٔ تعالیٰ جسم نہیں ہے، عرض نہیں ہے اور کسی جہت میں بھی نہیں ہے تو پھر وہ آخر ہے کیا چیز جو نظر آنے کے قابل ہو؟ اور اس کو ''ایک معلوم حقیقت'' کس طرح کہا جا سکتا ہے؟ جیسا کہ کہا گیا ہے (کما انہ معلوم)۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں متضاد دعوے ہیں جو عقل کی سمائی میں نہیں آ سکتے۔ سائنٹفک نقطۂ نظر سے یہ ایک مہمل عقیدہ ہے اور اس سے سوائے تشکیک کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مجرد دعوے ہیں جو ''تماثل اجسام'' اور ''حدوث اجسام'' کے مہمل نظریات پر مبنی ہیں۔ کیونکہ حدوث اجسام کی بحث سے خدائے تعالیٰ کا وجود بالکل مشتبہ ہو جاتا ہے۔ لہذا اس استدلال میں فائدے سے زیادہ نقصان ہے۔ مگر اس استدلال کے قائلین نے تصویر کے اس دوسرے رخ کو نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ قرون وسطیٰ میں ''مادہ'' اور کائنات کا تصور بہت محدود تھا۔

مگر اس کے باوجود امام صاحب نے اپنی ایک دوسری کتاب ''المستصفیٰ'' میں مسئلہ ''استقراء'' کی بحث میں اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کے قائلین اور ان کی دلیل کا رد کرتے ہوئے ان کا مذاق اڑایا ہے۔ چنانچہ موصوف نے اس مباحثے کو سوال و جواب کے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے: ''جس نے یہ بات کہی وہ غلط ہے کہ صانع عالم (خالق کائنات) جسم ہے۔ کیونکہ ہر فاعل جسم ہوتا ہے، چونکہ صانع عالم فاعل ہے اس لئے وہ جسم ہوگا۔ اس پر امام صاحب اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: تم نے کیوں کہا کہ ہر فاعل جسم ہے؟ تو معترض اس کے جواب میں کہتا ہے کیونکہ میں نے (تمام) فاعلین جیسے درزی، معمار، موچی، حجام اور آہن گر وغیرہ کو دیکھا ہے کہ وہ (سب کے سب) جسم ہیں۔

تو اس کے جواب میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کیا تم نے صانع عالم کا بھی جائزہ لیا ہے یا نہیں؟ اگر تم نے اس کا جائزہ نہیں لیا ہے تو تم نے صرف بعض ہی کا جائزہ لیا ہے اور بعض فاعلین ہی کو جسم پایا ہے۔ لہذا (اس منطقی استدلال میں) دوسرا مقدمہ خاص ہو گیا جو بے نتیجہ ہے۔(۵۲)

حیرت ہوتی ہے کہ امام غزالیؒ جیسے قابل اور مانے ہوئے عالم نے اس قدر پھسپھسا دعویٰ کس طرح کر دیا؟ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کئے بغیر اس کے جسم ہونے کا دعویٰ کرنا غلط ہے تو پھر اسے دیکھے بغیر اس کے غیر جسم ہونے کا دعویٰ کرنا صحیح کیسے ہو سکتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ عدم جسمانیت کے قائلین نے صرف ہمارے اجسام پر

قیاس کرتے ہوئے اتنا بڑا فیصلہ کر دیا ہے۔ خالق کائنات کا مشاہدہ کرنا تو بہت دور کی بات ہے انہوں نے ہمارے ہی عالم مادیات کے اندر جھانک کر نہیں دیکھا ہے کہ اس میں کس کس قسم کے مادے اور کیا کیا عجائب موجود ہیں، جن کو خلاق عالم نے ہماری عبرت و بصیرت کے لئے رکھ چھوڑے ہیں! چنانچہ اس سلسلے میں بعض حقائق کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جدید تحقیقات کی روشنی میں تماثل اجسام کا نظریہ فاسد اور مضحکہ خیز نظر آتا ہے جو ''استقرائے تام'' کے خلاف ہے۔ تماثل اجسام کا مطلب یہ ہے کہ ہماری کائنات کے تمام مظاہر یکساں یا ہم مثل ہیں۔ چنانچہ یہ نظریہ فلاسفہ نے موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) کے اجسام کی یکسانیت (عناصر و جواہر کے اعتبار سے) کی بنا پر اختیار کیا تھا، جواب مردود ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں مظاہر کائنات کا حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے جائزہ لینے اور اشیائے عالم کی تہہ تک پہنچنے کی دعوت دی گئی ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (یونس:۱۰۱)

ترجمہ: کہہ دو کہ ذرا غور سے دیکھو کہ زمین اور آسمانوں میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں؟

اس اعتبار سے یہ حقائق خود امام غزالیؒ کے دعوائے استقراء کے خلاف ہیں۔ خداوند قدوس کا مشاہدہ کرنے سے پہلے خود اپنی کائنات کا مشاہدہ و معائنہ استقرائی طور پر کر لینا چاہیے، ورنہ کوئی بھی دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہماری اپنی کائنات میں اتنی مختلف و متضاد چیزیں موجود ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اب نہیں معلوم کہ عالم ملکوت کے احوال و کوائف کیا ہیں؟ لہٰذا ہم اپنی کائنات پر قیاس کرتے ہوئے عالم ملکوت پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے اور خدائے جل جلالہ کی ماہیت کے بارے میں ''فتوے'' صادر نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس قسم کے کسی بھی دعوے پر جو ''بلا علم'' ہو حسب ذیل قرآنی آیت صادق آتی ہے:

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيلُهُ﴾ (یونس:۳۹)

ترجمہ: بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کے علم کا وہ احاطہ نہ کر سکے اور اس کی حقیقت اُن پر اب تک کھل نہیں سکی ہے۔

ابن حزم کے ادعائی بیانات

اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کا انکار کرنے والوں میں سب سے زیادہ سخت موقف ابن حزم ظاہری اندلسی (م ۵۴۸ھ) کا ہے، جنہوں نے اثبات جسم کا دعویٰ کرنے والوں کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔ اور اس قسم کے دعوے کو کفر اور شرک تک قرار دینے کی جسارت کر دی ہے۔ موصوف کی انتہاء پسندی یہ ہے کہ وہ اپنے نظریات سے اختلاف کرنے والوں کو عموماً سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہیں اور بسا اوقات انہیں جاہل تک قرار دیتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہی حق ہے۔ غرض ''ماہیت'' باریٔ تعالیٰ کے بارے میں انہوں نے ''دلائل'' کے نام پر جو

کچھ کہا ہے وہ خودساختہ دعوے ہیں، جن کی بنیاد یہ ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کو جسم مان لیں تو وہ ''حادث'' بن جائے گا، جسے وقوع میں لانے کے لئے ایک اور فاعل یا محدث کی ضرورت پڑ جائے گی۔ اور اس سے دو خداؤں کا وجود لازم آ جائے گا۔ لہٰذا خدائے خلاق کے لئے غیر جسم ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ کیونکہ جو جسم ہوگا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ عجیب وغریب قسم کا استدلال ہے۔ مزید ستم یہ کہ موصوف نے نام نہاد عقلی دلائل کو اصل مانتے ہوئے ان تمام قرآنی نصوص کو جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، آنکھ، چہرہ اور دیگر اعضاء پر دلالت کرتے ہیں، یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وہ محض ''وجوہِ ظاہری'' پر مبنی ہیں۔ گویا کہ وہ قابل حجت نہیں ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کا استدلال فاسد ہے۔ حالانکہ موصوف ''ظاہری'' کہلاتے ہیں، جو نصوص میں تاویل کرنے کے قائل نہیں تھے۔

بہر حال اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کو جسم قرار دے دیں تو اس کی وجہ سے ایک اور ''فاعل'' ماننے کی ضرورت پڑ جائے گی جو ''جسم'' نہ ہو۔ لہٰذا صانع عالم (خالق کائنات) جسم نہیں ہوسکتا۔ اس اعتبار سے موصوف نے شرعی دلائل کو نظر انداز کر کے فرسودہ قسم کے عقلی دلائل ہی کا سہارا لیتے ہوئے ان کو اصل قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے قائلین جسم کے دو دلائل کا تذکرہ اس طرح کیا ہے: (۱) اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے پر پہلی دلیل یہ ہے کہ معقولی اعتبار سے کوئی چیز یا تو جسم ہوگی یا عرض (۵۴)۔ جب اللہ تعالیٰ عرض نہیں ہوسکتا تو وہ جسم ہوگا۔ اور پھر کوئی بھی فعل بغیر جسم کے واقع نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس کا جسم ہونا ضروری ہے۔ (۲) اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن میں اللہ کے ہاتھ، پیر، چہرے اور آنکھ وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (لہٰذا عقل ونقل دونوں اعتبارات سے اللہ تعالیٰ کی جسمانیت ثابت ہوتی ہے)۔

یہ تھا مخالفین کا استدلال۔ اس کے جواب میں ابن حزم تحریر کرتے ہیں کہ یہ تمام قرآنی نصوص ظاہری وجوہ کے حامل ہیں، جو ان لوگوں کے ظن وتاویل کے خلاف ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ دونوں استدلال فاسد ہیں۔ کیونکہ ان کے قول کے مطابق سوائے جسم اور عرض کے کسی اور چیز کا نہ پایا جانا ایک ناقص تقسیم ہے۔ لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ اس عالم میں سوائے جسم اور عرض کے کوئی چیز پائی نہیں جاتی۔ اور یہ دونوں چیزیں اپنی طبیعت کے لحاظ سے ایک ''محدث'' (۵۵) کے وجود کی متقضی ہیں۔ تو بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ اگر اس عالم کا محدث جسم یا عرض ہو تو وہ اپنے فعل کے لئے ایک فاعل (۵۶) کا مقتضی ہوگا اور ایسا ہونا ضروری ہے۔ تو بدیہی طور پر یہ بات واجب ہوگئی کہ جسم وعرض کا فاعل جسم یا عرض نہیں ہوسکتا۔ اور یہ برہان ہے جسے اختیار کرنے پر ہر ذی حس عقلی ضرورت کے باعث مجبور ہے اور ایسا کرنا ضروری ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی یہ بات ضروری ہے کہ ان لوگوں کے الحاد کی بدولت باری تعالیٰ جسم ہوگا تو بدیہی طور پر وہ زماں ومکاں کا محتاج ہو جائے گا، جو اس کے علاوہ ہوں۔ اور یہ بات توحید کو باطل کرنے اور شرک کو واجب قرار دینے کے برابر ہے۔ کیونکہ اس سے دو چیزوں کو برابر قرار دینے اور اللہ کے ساتھ غیر مخلوق اشیاء کو واجب ماننا پڑے

گا۔ اور یہ بات کفر ہے۔

ولجميع هذه النصوص وجوه ظاهرة بينة، خارجة على خلاف ماظنوه وتأولوه. وهذان الاستدلالان فاسدان، أما قولهم أنه لايقوم في المعقول إلاجسم أو عرض فإنها قسمة ناقصة، وإنما الصواب أنه لايوجد في العالم إلاجسم أو عرض، وكلهما يقتضي بطبيعته وجود محدث له. فبالضرورة نعلم أنه لو كان محدثها جسما أو عرضا لكان يقتضي فاعلا فعله ولابد. فوجب بالضرورة أن فاعل الجسم والعرض ليس جسما ولا عرضا. وهذا برهان يضطر إليه كل ذي حس بضرورة العقل ولابد. وأيضا فلو كان الباري تعالى عن إلحادهم جسما لاقتضي ذلك ضرورة أن يكون له زمان ومكان غيره، وهذا إبطال التوحيد وإيجاب الشرك معه تعالى لشيئين سواه وإيجاب أشياء معه غير مخلوقة وهذا كفر۔(۵۷)

ظاہر ہے کہ یہ فرسودہ اور خود ساختہ دلائل ہیں جو عقلی گھوڑے دوڑانے کے برابر ہے۔ اور اس پورے فساد کی جڑ جسم اور عرض کی بحث ہے جو "تماثل اجسام" کے مہمل نظریئے کے تحت وجود میں آئی ہے۔ اس بنا پر قدیم فلاسفہ نے پوری کائنات کو جوہر اور عرض کا مجموعہ قرار دے دیا جو ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے، انسان خود اپنی ہی حقیقت سے لاعلم ہے۔ عناصر و جواہر کی یہ دنیا ایک "عجائب گھر" کی طرح ہے، جو اپنی آخری تحلیل میں بجلی کے چند ذرات یا برقی لہروں کا مجموعہ ہے۔ اور ان لہروں کو نہ تو "اجسام" کہا جا سکتا ہے اور نہ "اعراض"۔ کیونکہ اس منزل میں آ کر مادے کی ثنویت ختم ہو جاتی ہے اور وہ جسم و عرض کے بجائے صرف برقی لہروں کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے، اس طرح وہ اپنی "مادیت" کھو دیتا ہے اور اس میں "صورت" اور "ہیولیٰ" (۵۸) کا نام و نشاں تک دکھائی نہیں دیتا۔ اور پھر اس پر غضب یہ کہ یہ لہریں آنکھوں کو نظر تک نہیں آتیں۔ بلکہ خود مادے کے ایک یونٹ (جوہر فرد یا ایٹم) کو بھی خالی آنکھ سے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ خالی آنکھ سے نظر آنے والے ایک چھوٹے سے مادی ذرہ میں کم از کم ایک ارب ایٹم ہوتے ہیں۔ اس سے آپ "جوہر فرد" کے انتہائی ننھے پن کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا معاذ اللہ باری تعالیٰ کو ایک جوہر جیسی بسیط شئ قرار دینا کیا کوئی معقول بات ہو سکتی ہے؟ پھر اس کا وجود کہاں اور کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟ یہ کوئی نہیں بتاتا، بلکہ اس مسئلے میں پورا فلسفہ و کلام خاموش ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی :

گو فلسفی کی بات چناں و چنیں رہی لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

یہ تو ہمارے معلوم و معروف مادے کی کیفیت ہے، جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم ابھی تک اپنے مادے ہی کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے ہیں، تو پھر عالم بالا کے بارے میں ہم کیا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہاں کی

کیفیت کیا ہے، جو ہماری نگاہوں سے پوری طرح اوجھل ہے؟

ابن حزم کا ایک اور دعویٰ

ابن حزم کو اللہ تعالیٰ کے جسم یا عرض ہونے کا سختی کے ساتھ انکار ہے، جیسا کہ وہ تحریر کرتے ہیں:

فقد قام البرهان أنه تعالى ليس جسما ولاعرضا. (۵۹)

یعنی اس بات پر برہان قائم ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو جسم ہے اور نہ عرض۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ کے غیر جسمانی ہونے پر برہان قائم ہونے کا دعویٰ کرنا انتہائی لغو قسم کی بات ہے۔ کیونکہ وہ محض ایک قیاسی احتمال ہے، جو برہان کی قبیل سے نہیں ہے۔ کیونکہ برہان کی بنیاد یقینیات پر ہوتی ہے نہ کہ وہمیات پر۔ غرض اس مغالطہ آمیز استدلال کی بنا پر اللہ تعالیٰ سرے سے کوئی شے نہیں رہا، گویا کہ اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔ استغفر اللہ۔

واقعہ یہ ہے کہ جو چیزیں ماورائے حس یا مابعد الطبیعیات سے متعلق ہیں ان کے بارے میں محض قیاسی طور پر کوئی رائے قائم کر کے کوئی حتمی فیصلہ کرنا یا اسے برہان قرار دینا ناممکن ہے۔ کیونکہ ان مظاہر کی حقیقت سے انسان جاہل محض ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں علامہ ابن خلدون تحریر کرتے ہیں:

وأما ما كان منها من الموجودات التي وراء الحس وهي الروحانيات، ويسمونه العلم الإلهي وعلم ما بعد الطبيعة، فإن ذواتها مجهولة رأسا، ولايمكن التوصل إليها ولا البرهان عليها. (۶۰)

امام رازی کی تاویلات

امام رازیؒ (م ۶۰۶ ھ) امام غزالی ہی کی طرح ایک جلیل القدر عالم گزرے ہیں جو فلسفہ و کلام کے بہت بڑے ماہر اور ایک بہت بڑے مصنف تھے۔ خاص کر موصوف کی تفسیر کبیر اپنے فن میں ایک شاہکار ہے، جس کا راقم سطور بہت بڑا قدردان ہے۔ مگر اللہ معاف کرے انہوں نے بھی وجود باری کے سلسلے میں وہی موقف اختیار کر لیا ہے جو غزالی اور ابن حزم وغیرہ کا ہے۔ چنانچہ موصوف اپنی ایک تصنیف "الاربعين في اصول الدين" میں 'إن الله ليس بمتحيز" کی بحث میں اللہ تعالیٰ کے ''غیر مکانی'' ہونے پر آٹھ ''دلائل'' قائم کیے ہیں، جو وہی گھسے پٹے قسم کے ہیں۔ اور ان کا خلاصہ اس طرح ہے:

۱- ہر وہ چیز جو کسی جہت میں ہو وہ منقسم ہے، اور ہر منقسم شے ممکن الوجود ہے۔ (لہذا باریٔ تعالیٰ ممکن الوجود نہیں ہوسکتا)

۲- ہر متحیز (کسی مکان یا جہت میں رہنے والا) حادث ہے۔ لہذا اگر باریٔ تعالیٰ متحیز ہوگا تو وہ حادث بن جائیگا۔

۳- ہر متحیز ایک محدود مقدار کا حامل ہوتا ہے اور جو چیز ایک محدود مقدار کی حامل ہوگی وہ حادث بن جائے گی۔ لہذا باریٔ تعالیٰ ایک محدود مقدار کا حامل نہیں ہوسکتا۔

۴-تمام متحیز چیزیں یا جگہ گھیرنے والی اشیاء اپنی ماہیت میں برابر برابر ہوتی ہیں۔ چنانچہ اگر باری تعالی متحیز ہوتو اسکی ماہیت بھی دیگر اشیاء ہی کی طرح ہو جائیگی۔ اس صورت میں وہ ایک مرجّح ومخصّص کا محتاج ہو جائے گا جو محال ہے۔[۶۱]

بقیہ دلائل بھی اسی قسم کے ہیں۔ اوران سب کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالی کو مظاہر کائنات یا موجودات عالم کی طرح جسم نہ ہونا چاہئے اور نہ محدود ہونا چاہئے۔ وہ کسی مکان یا جہت میں نہیں ہوسکتا۔ مگر اس موقع پر یہ نہیں بتایا جارہا ہے کہ ایک ایسی چیز جو جسم یا عرض بالکل نہ ہو اور وہ کسی جہت یا مکان میں بھی نہ ہو وہ اپنی ماہیت میں آخر کیا ہوسکتی ہے اور وہ لامحدود کس طرح کہلا سکتی ہے؟ کیا فلسفیانہ نقطہ نظر سے ہماری اس دنیا میں ایسی کسی چیز کا وجود ہوسکتا ہے جو جسم یا عرض بالکل نہ ہو؟ اس سوال کا کسی بھی فلسفی یا متکلم نے کوئی جواب نہیں دیا ہے۔ بلکہ سب کے سب اللہ تعالی کی جسمانیت سے انکار کرنے کے لئے عقلی گھوڑے دوڑا رہے ہیں اور دلیل پر دلیل قائم کئے جارہے ہیں۔ اوراس پر مزید طرہ یہ کہ قرآن اور حدیث میں ذات باری تعالی کے بارے میں جو مثبت بیانات وتصریحات موجود ہیں ان کو کوئی بھی خاطر میں نہیں لا رہا ہے۔ گویا کہ خود خلاق عالم کی تصریحات کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ خدائے علیم وخبیر سے بڑھ کر اور کس کی بات صحیح اور معتبر ہوسکتی ہے؟

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا﴾ (نساء:۸۷)

ترجمہ: اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہوسکتی ہے۔

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾ (رعد:۹)

ترجمہ: وہ پوشیدہ اور ظاہری (تمام چیزوں کا) جاننے والا، سب سے بڑا اور بلند مرتبے والا ہے۔

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾ (جن:۲۶-۲۷)

ترجمہ: وہ عالم غیب کا جاننے والا ہے۔ وہ اپنی غیبی باتوں سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

اس اعتبار سے عالم غیب کی باتوں سے سوائے اللہ کے رسول کے اور کوئی واقف نہیں ہے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں جو کچھ بیان کیا ہے اس پر بے چوں وچرا ایمان لانا واجب ہے۔ بلا دلیل ومشاہدہ ٹامک ٹوئیاں مارنا ''رجماً بالغیب'' کی قبیل سے ہے، جو الہیاتی مسائل میں جائز نہیں ہے۔

عضد الدین کی کلامیات

علامہ عضد الدین عبد الرحمان ایجی (م ۷۵۶ھ) ایک چوٹی کے متکلم گزرے ہیں، جن کی کتاب ''المواقف فی علم الکلام'' اپنے فن میں ایک اونچے پائے کی کتاب شمار کی جاتی ہے۔ مگر وہ بہت مغلق اور پیچیدہ مباحث پر مشتمل ہے۔ موصوف فلاسفہ اور متکلمین کے اقوال وآراء بکثرت نقل کرکے ان پر محاکمہ کرتے ہیں۔ مگر ان مباحث میں اکثر وبیشتر کافی التباس نظر آتا ہے۔ اس بنا پر کوئی واضح بات سامنے نہیں آتی اور بسا اوقات یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کا اصل

نظریہ کیا ہے؟ بہر حال موصوف نے وجود باری کے سلسلے میں متکلمین کے جو دلائل بیان کئے ہیں وہ اس طرح ہیں:

۱- حدوث جواہر کے ذریعہ استدلال: یہ عالم حادث ہے، اور ہر حادث کے لئے ایک محدث (وقوع میں لانے والا) ضروری ہے۔ (وہی باری تعالیٰ ہے)۔

الاستدلال بحدوث الجواهر: وهو أن العالم حادث، وكل حادث فله محدث.

۲- امکان جواہر کے ذریعہ استدلال: یہ عالم ممکن ہے۔ (۶۲) کیونکہ وہ مرکب اور کثیر ہے۔ اس لئے ہر ممکن کے لئے ایک علت مؤثرہ ضروری ہے۔ (جو باریٔ تعالیٰ ہے)۔

الثاني بإمكانها: وهو أن العالم ممكن، لأنه مركب وكثير، وكل ممكن فله علة مؤثرة.

۳- حدوث اعراض کے ذریعہ استدلال: چنانچہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ نطفہ علقہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اسی طرح علقہ مضغہ میں بدل جاتا ہے، پھر وہ گوشت اور خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لہذا (ان تبدیلیوں کے لئے) ایک حکمت والے صانع کی ضرورت ہے (جو باریٔ تعالیٰ ہے)۔

الثالث بحدوث الأعراض: مثل مانشاهد من إنقلاب النطفة علقة، ثم مضغة، ثم لحما ودما. إن لابد من مؤثر صانع حكيم.

۴- امکان اعراض کے ذریعہ استدلال: وہ یہ کہ تمام اجسام (موالید ثلاثہ) ہم مثل ہیں، اس لئے ان میں سے ہر ایک اپنی (مخصوص نوعی) صفات کا محتمل ہے۔ (لہذا) ان صفات کی تخصیص کے لئے ایک مخصص (تخصیص کرنے والے) کی ضرورت ہے (وہی خدا ہے)۔

الرابع بإمكان لأعراض: وهو أن الأجسام متماثلة، فإختصاص كل بما له من الصفات جائز. فلابد في التخصيص من مخصّص له.(۶۳)

پھر اسکے بعد تحریر کرتے ہیں کہ: اس استدلال کے ذریعہ یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مدبر عالم اگر "واجب الوجود" ہے تو مطلوب حاصل ہے۔ ورنہ اگر وہ "ممکن" قرار پائے گا تو اس کیلئے ایک "مؤثر" کی ضرورت پڑ جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ "دور" یا "تسلسل" لازم آ جائے گا، یا پھر بالآخر ایک مؤثر ماننا پڑے گا جو اپنی ذات میں ایک واجب الوجود ہو۔ پہلی شکل اپنی دونوں قسموں کے ساتھ باطل ہے، لہذا دوسری شکل متعین ہو جاتی ہے جو کہ مطلوب ہے۔

ثم بعد هذه الوجوه نقول: مدبر العالم إن كان واجب الوجود فهو المطلوب، وإلّا كان ممكنا فله مؤثر، ويعود الكلام فيه ويلزم إمّا الدور أو التسلسل وإما الانتهاء إلى مؤثر واجب الوجود لذاته. والأول بقسميه باطل، فتعين الثاني.

وھو المطلوب۔(۶۴)

اس قسم کی قدیم فلسفیانہ دلیلیں عصر جدید کے ذہن ومزاج کو اپیل نہیں کرتیں جو محض فرضی وتخیلاتی (غیر تجرباتی) ہیں۔جدید فلسفے کا مزاج یہ ہے کہ وہ سائنسی تحقیقات یا نظام کائنات کے ثابت شدہ حقائق کو بنیاد بنا کر گفتگو کرتا ہے۔اس اعتبار سے موجودہ دور کے ذہن ومزاج کے مطابق ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے، جو سائنسی تحقیقات کو بنیاد بنا کر گفتگو کرے۔اس لحاظ سے آج وجود باری پر بے شمار ''سائنٹفک دلیلیں'' دی جاسکتی ہیں جو موجودہ ذہنیت کے مطابق مؤثر اور کارگر ہوسکتی ہیں۔چنانچہ اوپر مذکور چار دلیلوں میں سے تیسری دلیل سائنٹفک قسم کی ہے، جو اصلاً امام ابو الحسن اشعری سے منقول ہے۔(۶۵)

یہ تھی وجود باری کی بحث۔اس کے بعد دوسری بحث باریٔ تعالیٰ کی ذات (ماہیت) کے بارے میں ہے۔ اور اس میں بہت اختلاف ہے، جن کی تفصیل موصوف نے اس طرح کی ہے:

باریٔ تعالیٰ کی ذات دیگر تمام موجودات سے مختلف ہے اور وہ کسی کا مثل یا ہمسر نہیں ہے۔

المقصد الثاني: في أن ذاته تعالى مخالفة لسائر الذوات، فهو منزه عن المثل و الند، تعالى عن ذالک علوا کبیرا۔

۲- اس بارے میں دوسرا موقف قدمائے متکلمین کا ہے کہ ذات باریٔ تعالیٰ دیگر موجودات کے ہم مثل ہے، مگر وہ دیگر موجودات سے چار باتوں میں ممتاز ہے: وجوب، حیات، علم تام اور قدرت تامہ۔

و قال قدماء المتکلمین: ذاته تعالى مماثلة لسائر الذوات، و إنما تمتاز عن سائر الذوات بأحوال أربعة: الوجوب و الحياة و العلم التام و القدرة التامة

۳- ابو ہاشم کے نزدیک وہ ان چاروں خصوصیات کے علاوہ ایک پانچویں خصوصیت سے بھی متصف ہے جو ''الوہیت'' ہے۔

وعند أبي هاشم يمتاز بحالة خامسة، هي الموجبة لهذه الأربعة، نسميها بالإلهية۔(۶۶)

مؤلف کتاب دوسرے اور تیسرے موقف کا رد کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اگر ذات باری میں دوسری مخلوقات بھی شریک ہوجائیں تو اس سے (خالق اور مخلوق کے درمیان) ثنویت باقی نہیں رہے گی۔نتیجہ یہ کہ باریٔ تعالیٰ کا ''مرکب'' ہونا لازم ہوجائے گا، جو اس کے وجوب ذاتی کے منافی ہے۔

لنا لو شارکه غیره في الذات، لخالفه بالتعین ضرورة الاثنية، وما به الاشتراک غیر ما به الامتیاز، فیلزم الترکیب، وهو ینافي الوجوب الذاتي۔(۶۷)

..................(جاری ہے)...........

جناب حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری

عہد فاروقی کا معاشرتی نظام

ریڈیو پاکستان کے سیمنار میں پڑھا گیا خصوصی مقالہ

صاحب صدر! معزز حاضرین وسامعین!!

السلام علیکم! یہ بات میرے لئے بڑے اعزاز کا باعث ہے کہ مجھے حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک میں ان کے نافذ کردہ معاشرتی نظام پر اظہار خیال کا موقعہ نصیب ہو رہا ہے۔

حضرات! معاشرتی زندگی انسان کی ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے کہ وہ معاشرے کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا اور اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ معاشرہ انسان کی مجبوری ہے اور یہ مجبوری اس لئے ہے کہ زندگی کے اتنے پہلو ہیں اور اس میں انسانی زندگی کے اتنے تقاضے ہیں کہ ان سے انحراف کرتے ہوئے کسی فرد کے لئے بھی اس دنیا میں تنہا زندگی بسر کرنا ناممکن ہے اسی لئے زندگی کے روز اول سے مختلف عہد اور زمانے اور ان میں مختلف افراد اور اقوام اپنے لئے مل جل کر زندگی بسر کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ اپناتے رہے ہیں اور معاشرتی زندگی کے لئے ہر قوم کے پاس اپنا ایک نظام رہا ہے کیونکہ انسان فطرتاً کچھ کمزوریاں بھی رکھتا ہے جن میں خاص طور سے اپنی ذات کا تحفظ اپنے مفاد کی حفاظت اور صرف اپنی ہی نسل کی بڑائی اور اس کے لئے زندگی کے سارے وسائل کو سمیٹ لینا اس کی کمزوری رہا ہے اس اعتبار سے جب آپ غور کریں گے تو دنیا کے سارے معاشرتی نظام آدمی کی ذاتی اور نسلی مفاد پرستیوں کا مجموعہ نظر آئیں گے لیکن آج ہم آپ کے سامنے اس معاشرتی نظام کا ذکر کر رہے ہیں جسے امیر المومنین حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ نے نافذ کیا وہ نظام اور اس کے تمام بنیادی اصول ان کے اپنے اختراع کردہ نہیں تھے بلکہ محمد الرسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت تسلیم کرنے کی صورت میں زندگی کا جو نقشہ فاروق اعظمؓ کے سامنے تھا وہ اللہ کا عطا کردہ نظام معاشرت اور اس کتاب ہدایت کے بیان کردہ اصول تھے جو انوار سیرت سے مزین ایک عملی طریقہ کار تھا۔

اور اس معاشرتی نظام میں سب سے پہلا بنیادی نکتہ وحدت نسل انسانی ہے جس کو تسلیم کرنے کے بعد وہ ساری مصنوعی تفریقیں جو انسانوں کو تقسیم کرنے کے لئے مفاد پرست نظام سازوں اور اپنی ذاتکو ماورائے انسانیت قرار دینے والے معاشرتی مفکرین نے کمزور لوگوں کو درجہ انسانیت سے گرانے اور اپنی طاقت کے زور پر انہیں اپنا بندہ بنانے

کے لے قائم کی تھیں، اسلام کے نظام نے یہ اصول عطا کر کے ان سب کی نفی کر دی کہ یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس و احدہ (سورۃ النساء آیت نمبر 1) کہ سب انسان ایک ہی انسانی جوڑے کی پھیلی ہوئی ذریت ہیں، کسی کو کسی پر اگر کوئی فضیلت ہے تو اس کی بنیاد کوئی رنگ و نسل نہیں ہے بلکہ خدا خوفی ہے، اس کی وضاحت سورۃ الحجرات میں کر دی گئی۔ اور پھر اس پورے معاشرتی نقشے کو حضور اکرم ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع نے یہ کہہ کے رنگ وحدت مزید واضح اور نمایاں کر دیا کہ کسی گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

پھر انہی رہنما اصولوں پر وہ معاشرہ قائم ہوا جسے خود نبی ﷺ نے تشکیل فرمایا تھا، یہی معاشرہ اور یہی ریاست انہیں اصولوں پر قائم و دائم تھی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد اس کے تحفظ اور ارتقاء کی ذمہ داری حضرت فاروق اعظمؓ کے حصے میں آئی۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد حضرات! ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ ان خطوط پر، جنہیں قرآن و سنت نے متعین کیا، حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں، اس معاشرتی نظام کا نقشہ کار کیا تھا، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس معاشرتی نظام میں جو ارتقائی مراحل حضرت عمرؓ کی رہنمائی میں طے ہوئے، وہ کیا تھے؟

حضرات! معاشرہ انسانوں کی ایک با مقصد اجتماعی ہیئت کا نام ہے اور معاشرتی زندگی ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے کو کہتے ہیں، اور جہاں مل جل کر رہنے کی بات آئے گی، وہاں ایک دوسرے کا حقوق و فرائض کا تعین کئے بغیر کئی مستحکم صورت حال پیدا نہیں ہو سکتی، جب تک کمزوروں کے حقوق کا تحفظ نہ ہو، اور طاقتوروں کو ان کی حد میں رکھنے اور فرائض کی ادائیگی پر آمادہ کرنے کے لئے کوئی مضبوط نظام روبہ عمل نہ لایا جائے اس وقت تک نہ معاشرتی زندگی مہذب انداز میں قائم ہو سکتی ہے اور نہ اپنے وجود کو برقرار رکھ سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ معاشرتی زندگی چاہے بالکل ابتدائی مرحلے ہی کی کیوں نہ ہو مگر وہ اپنے آداب و قواعد کو واضح انداز سے سب سے پہلے سامنے لاتی ہے۔

چاہے وہ محض رسوم و رواج کی ابتدائی شکل میں ہو یا قواعد و ضوابط کی صورت میں ہو مگر اس کا واضح ہونا اور ان ضابطوں کا پاس و لحاظ، معاشرتی نظام کے لئے، اس کی بقاء و ارتقاء کا ضامن بھی ہے، اور اس کے لئے ایک حصار عافیت بھی، تو اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسانی معاشرہ سب سے پہلے جس بات کا تقاضا کرتا ہے وہ قیام امن، تحفظ جان و مال و آبرو اور انصاف کا آسان حصول ہے لہٰذا عدالت کا باقاعدہ نظام اور ایسا انتظام کہ جس میں انصاف کا شعبہ انتظامیہ سے بالکل الگ آزاد حیثیت میں اپنا فریضہ سر انجام دے اور کسی قسم کے انتظامی دباؤ کا شکار نہ ہو اور مسند انصاف پر ایسے لوگوں کو فائز کیا جائے جو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو کر لوگوں کے حقوق کی حفاظت کر سکیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اختیارات خلافت سنبھالنے کے چند ہی دن بعد اس شعبے کو انتظامی عہدیداران کی ذمہ داریوں سے الگ کر کے ایسے لوگوں کو متعین کیا کہ جن کے ذمے انتظامات ریاست کا کوئی اور منصب نہیں تھا، حضرت عمرؓ نے جو رہنما اصول اس سلسلے میں ججوں کے لئے مقرر فرمائے ان میں سے چند رہنما اصول یہ ہیں:

۱۔ قاضی کوایک منصف کی حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

۲۔ ثبوت فراہم کرنا مدعی کے ذمے ہے۔

۳۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں' بشرطیکہ وہ خلاف قانون معاملات میں نہ ہو یعنی اس سے کوئی حرام' حلال اور کوئی حلال' حرام نہ ہونے پائے۔

۴۔ پیشی کی ایک تاریخ مقرر کی جائے۔

۵۔ معینہ تاریخ پر اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ان اصولوں کے بعد آپؓ نے جن لوگوں کو قاضی مقرر کیا' ان کے انتخاب میں خداخوفی' کتاب وسنت کا علم' اثابت رائے اور صداقت شعاری کی شہرت عامہ بنیادی اصول کے طور پر کارفرما رہی ہے۔ اس سلسلے میں بھی تین ایسی پیش بندیاں ہیں جنہوں نے انصاف کے شعبے کو مستحکم کر دیا۔

۔ قاضیوں کی تنخواہیں بیش بہا مقرر کیں۔

۲۔ قاضی مقرر کرنے کے لئے معزز اور دولت مند افراد کو اس بنیاد پر اولیت دی کہ رشوت کا سد باب کیا جا سکے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قاضی کے لئے تجارت کرنے اور خرید وفروخت کے معاملات میں حصہ لینے پر مستقل پابندی عائد کی تاکہ منصف ہر طرح کے دباؤ' لالچ' تحریص وترغیب سے محفوظ رہے اور انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہونے پائیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی معاشرہ ایسے نظام انصاف کے زیر سایہ آ گیا کہ جس میں شاہ وگدا کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ انصاف کے بعد انسانی معاشرے کیلئے ایسے ذمہ داران کا وجود یا ایسا محکمے کا قیام بہت ضروری ہے جو امن عامہ کو قائم بھی کرے اور اس کی بقاء کا ضامن بھی ہو لہذا حضرت عمرؓ نے اسلامی ریاست کے اس معاشرے میں قیام امن کے لئے مستقلاً پولیس کا محکمہ بھی قائم کیا۔ بازاروں میں دکانداروں کے ناپ تول کی نگرانی' دھوکا دہی سے گاہک کو بچانے کا انتظام' شاہراہوں پر نجی تعمیرات سے روکنے کا کام اور جانوروں پر طاقت سے زائد بوجھ لادنے کی نگرانی بھی اسی محکمے کے سپرد تھی' پھر کسی معاشرے کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کسب حلال کا اہتمام ہو اور کسب حلال کے لئے دو باتیں ضروری ہیں' پہلی بات کا تعلق نظام حکومت سے ہے اور وہ ہے سرکاری ملازمین کے لئے تنخواہوں کا معقول تعین اور عہدیداران کے لئے حدود کار کی وضاحت' اس کے ساتھ ہی ساتھ احتساب کا ایسا کڑا انظام کہ جس میں کوئی عہدیدار عام لوگوں کے ساتھ ناروا رویہ اختیار نہ کر سکے۔

اس سلسلے میں بھی حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو اور سارے عہدیداروں کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ شان وشوکت کی زندگی اختیار نہیں کریں گے' اہل حاجت کیلئے ان کے دروازے کھلے رہیں گے۔ ان کے دروازوں پر دربان نہیں ہوں گے' وہ باریک کپڑا نہیں پہنیں گے' ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے' (اسلئے کہ ترکی گھوڑا اپنے قد وقامت

میں بڑا رعب و دبدبہ رکھتا ہے) چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھانے پر پابندی تھی لیکن صرف عاملانِ حکومت کیلئے اور تقرری کا یہ فرمان مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا' تاکہ یہ کوئی خفیہ دستاویز نہ ہو بلکہ عوام عاملانِ حکومت کی غلط روی کا احتساب کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ پھر جب کوئی شخص عامل مقرر کیا جاتا تو اس کے اثاثوں کی مکمل فہرست تیار کی جاتی اور اگر عامل بننے کے بعد کسی کے اثاثوں میں غیر معمولی اضافہ ہوتا تو اس سے جواب طلب کیا جاتا اور بعض صورتوں میں زائد اموال ضبط کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں احتساب عام کا اہتمام بھی حضرت عمرؓ نے کیا' اور یہ حج کے موقعہ پر ہوتا تھا' جس میں ہر شخص کو احتساب کا حق تھا' اور ہر عامل جوابدہی کا پابند تھا' کسب حلال کے حصول کے لئے دوسری بات بلا معاوضہ خدمت پر پابندی اور مناسب تنخواہیں لے کر کام کرنے کی ترغیب تھی۔ اس کا اہتمام بھی حضرت عمرؓ نے کیا اور یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ ابتداء میں تو پارسائی کے حقیقی پیکر حقیقتاً رضا کارانہ خدمت کو پسند بھی کرتے ہیں اور اس کا حق بھی ادا کرتے ہیں' لیکن بعد میں یہ طریقہ کار صرف نمائشی طور پر بے تنخواہ رہ جاتا ہے' مگر نذرانوں اور تحائف کی صورت میں کسب کا نیا انداز اختیار کر لیتا ہے لہذا آپؓ نے اس بات کا رواج عام کیا کہ لوگ جس عہدے پر کام کریں اس کا حق الخدمت لینے میں عار محسوس نہ کریں۔

اس سلسلے میں حضرت ابوعبیدہؓ کی مثال بڑی نمایاں ہے' جو مشہور صحابی بھی ہیں' عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور نامور سپہ سالار بھی ہیں' انہوں نے حق الخدمت لینے سے انکار کیا اور حضرت عمرؓ نے انہیں مشکل سے اس بات پر راضی کیا کہ وہ معاوضہ لیں' پھر جو معاوضے مقرر کئے گئے ان میں ناموری کو پیش نظر نہیں رکھا گیا' بلکہ خدمات کو رہنما اصول بنایا گیا' مثلاً شرکائے بدر کا معاوضہ پانچ ہزار درہم فی کس' شرکائے احد کا معاوضہ چار ہزار درہم فی کس' فتح مکہ سے پہلے کے اصحابِ ہجرت کیلئے تین ہزار درہم اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے حضرات کیلئے دو ہزار درہم فی کس مقرر ہوا۔ معاوضوں کے تعین میں ایک اور قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ جو تنخواہ جن اصحاب کیلئے مقرر کی گئی وہی تنخواہ انکے غلاموں کو بھی عطا فرمائی گئی گویا اس طرح نسل انسانی کی وحدت کا وہ تصور' جس پر یہ معاشرہ قائم ہوا' اس میں تمیز بندہ و آقا کو عملاً ختم کر دیا گیا۔

کسبِ حلال ہی کے سلسلے میں یہ بات بھی حضرت عمرؓ کے نافذ کردہ معاشرتی نظام کا خاصہ ہے کہ جس میں آپؓ نے بغیر کام کئے گزر بسر کرنے کا بھی مستقلاً سدِ باب کر دیا' عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ اگر سرکار دربار کی فیاضیاں انعام و اکرام کی صورت میں بلا استحقاق ہونے لگیں تو اس سے ایک خاص طبقہ مفت خوروں کا پیدا ہو جاتا ہے اور جب کسی قوم میں مفت خوری رواج پا جائے تو اس کی قوت کار کمزور ہوتے ہوتے محض موقع پرستی اور مفت کے مال پرستی اور کاہلی کے ساتھ گزر بسر کرنے کی بیماری عام ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد کے معاشرے کو اس بیماری سے بچانے کا بھی پورا اہتمام کیا' آپ نے جن کی

تنخواہیں خوراک یا وظائف مقرر کئے ان لوگوں کی خصوصیات کے یہ پہلو توجہ طلب ہیں' یا وہ ایسے لوگ تھے کہ جنہیں آئندہ کی فوجی خدمات کے لئے نگاہ میں رکھا گیا یا انہوں نے ماضی میں نمایاں خدمات سرانجام دی تھیں یا ضعف اور بیماری کی وجہ سے کسب معاش کے قابل نہ تھے' اس کے علاوہ آپؓ نے سختی کے ساتھ بے ضرورت سوال کرنے والوں کو معاشرے میں پنپنے نہ دیا بلکہ محتسب کے فرائض میں اس بات کو بھی شامل کیا کہ وہ ایسے لوگوں کو تنبیہ بھی کرے اور ان کی تادیب بھی ہو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں مگر اس کے باوجود صدقہ و خیرات لیں' آپ کا فرمانا تھا کہ پیشے کے اعتبار سے پست سے پست طبقے کے لوگ بھی سوال کرنے والے سے بہتر ہیں' اور اہل علم کو خاص طور سے اس بیماری سے بچانے کیلئے اعلانیہ طور پر مخاطب کر کے کہا کہ وہ مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالیں۔

حضرت عمرؓ کے معاشرہ اور آپ کے نظام سلطنت میں عوام کی بھلائی' ان کے حقوق کا تحفظ' ان کیلئے بہتر پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے طریقہ کار کا اہتمام' زندگی کے ہر ہر شعبے میں نمایاں نظر آتا ہے' اتنی بڑی سلطنت' جو تقریباً چوبیس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی' جس میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی' قدیم الایمان بھی تھے اور نومسلم بھی لیکن اس معاشرے کا سب سے نمایاں پہلو ہر ایک کے حقوق کا تحفظ اور اس کے ساتھ آبرومندانہ طرز عمل ہے' اس معاشرے میں رہنے والے غیر مسلموں کو ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کی ضمانت حاصل تھی' انہیں اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کا تحفظ نصیب تھا' ان کی جان' مال' آبرو اسی طرح محفوظ تھی' جس طرح ایک مسلمان کی جان' مال' آبرو۔ اس سلسلے میں وہ معاہدے جو مختلف اوقات میں آپؓ نے غیر مسلموں سے کئے' تاریخ کا روشن باب ہیں' بیت المقدس کی فتح کا معاہدہ اس سلسلے کی نمایاں دلیل ہے' جس میں کہا گیا کہ اہل ایلیا کے لئے امان ہے' جان کے لئے' مال کے لئے' کلیسا اور صلیب سب کے لئے' تندرست اور بیمار کے لئے اور شہر میں بسنے والے تمام مذہب والوں کے لئے' پھر ان عہد ناموں پر مکمل عمل درآمد کیا گیا۔ شام کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ کو جو فرمان لکھا اس میں تحریر تھا' کہ اہل ذمہ پر کوئی ظلم نہ ہونے پائے نہ کوئی ان کو نقصان پہنچائے اور نہ کوئی ان کا مال کھائے' اہل ذمہ سے کئے ہوئے سارے معاہدے پورے کئے جائیں۔

پھر اس معاشرے میں جبر کا اس طرح انسداد کر دیا گیا کہ حکومت کے محصولات سے لے کے عام معاملات تک خوشدلانہ تعلقات زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری ہو گئے' عام طور سے فاتح اقوام جس بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور حکمرانوں کا رویہ جو طریقہ' کار اختیار کر لیتا ہے' اس کمزوری سے بھی عہد فاورقی کا معاشرہ پاک و صاف رہا' جب عراق فتح ہوا تو اس کے بعد آپؓ نے مفتوحہ زمینوں کا جو بندوبست کیا' اس میں اس بات کا اہتمام کیا' کہ مسلمان معاشرہ میں جاگیردارانہ نظام رواج نہ پائے لہذا جو زمینیں شاہی خاندان یا مفروروں اور باغیوں کی تھیں انہیں رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے وقف کر دیا گیا' اور باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو لگان مقرر کر کے سونپ دی گئی' اور

اس میں آپؓ نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر 10 سے استدلال کیا جس کا پہلا فقرہ ہے والذین جاء و امن بعدھم اور آپ کا استدلال یہ تھا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے اگر یہ تمام زمینیں فاتحین میں تقسیم کر دی جاتیں تو پھر آنے والی نسلوں کیلئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ لہذا حضرت عمرؓ کے اس اقدام کا نتیجہ تھا کہ زرعی پیداوار کی آمدنی مال گزاری کی صورت میں دس کروڑ بیس لاکھ درہم تک پہنچ گئی اور اس سلسلے میں یہ بات قابل لحاظ ہے جس کی طرف حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے توجہ دلائی کہ جبر کے ذریعے حکومت کرنے والوں کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا برتنے کا سلیقہ اور یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین عمرؓ کے عہد میں مال گزاری دس کروڑ بیس لاکھ درہم تک پہنچی مگر حجاج بن یوسف کے ہزار ظلم و جبر کے باوجو عراق کی یہ آمدنی دو کروڑ آٹھ لاکھ درہم سے زائد نہ ہو سکی۔

کسی معاشرے کے استحکام کیلئے ضروری ہے کہ اہل نظر تازہ بستیاں بھی آباد کریں، رسل ورسائل اور آمدورفت کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کی جائیں لہذا عہد فاروقی کا معاشرہ اس سلسلے میں بھی ایک نہایت مستحکم اور ارتقاء پذیر معاشرہ ہے کہ جس میں نئے نئے شہر آباد کئے گئے۔ جن میں بصرہ، کوفہ، موصل اور فسطاط قابل ذکر ہیں۔ جنہیں ایسے مقام پر آباد کیا گیا کہ جو تمام شہری سہولتوں کے فراہم کرنے میں بھی نمایاں کردار ادا کریں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ شہریوں کی آبادکاری ایسے مقام پر ہو جہاں پانی کے ذخائر وافر طور پر موجود ہوں جیسے بصرہ کے قریب دریائے دجلہ اسی دریا سے پھر حضرت عمرؓ کے حکم سے بصرہ تک نہر بھی کاٹ کے لائی گئی۔ اسی طرح کوفہ دریائے فرات کے قریب آباد کیا گیا۔ پھر جو نہریں عہد فاروقی میں تیار کروائی گئیں ان میں نہر موسیٰ، نہر سعد، نہر امیر المومنین اور نہر معقل قابل ذکر ہیں، سڑکوں کی تعمیر اور راہوں میں حفاظتی چوکیاں، سرائیں اور مہمانخانے اس معاشرے کے استحکام کا سبب بنے، معاشرے کے استحکام کیلئے ایک فلاحی اور داعی معاشرے کے لئے نظام تعلیم کی اہمیت سب سے اہم ہے حضرت عمرؓ نے اس طرف بھی خصوصی توجہ رمائی سارے ملک میں مدارس کا جال پھیلا دیا گیا، خانہ بدوشوں اور بدوؤں کے لئے بھی لازمی تعلیم کا طریقہ قائم کیا گیا اور کچھ لوگوں کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور دیکھیں کہ اسے قرآن مجید کا کچھ حصہ یاد ہے؟ مفتوحہ ممالک میں درس قرآن کے حلقے قائم کئے گئے۔ معلم اور قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ صحابہؓ میں سے بزرگ ترین اصحاب مختلف صوبوں میں قرآن کی تعلیم کیلئے مقرر فرمائے گئے، ان میں حضرت معاذ بن جبل فلسطین میں، حضرت عبادہ بن صامتؓ شام میں اور حضرت ابودرداؓ دمشق میں اشاعت اسلام اور تعلیم عامہ کی خدمات سرانجام دیتے رہے، اسی تعلیمی نظام کی اشاعتِ عامہ کا یہ تابناک کارنامہ ہے کہ وہ تمام ممالک جو آج اسلامی ممالک کہلاتے ہیں اور جو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلامی ریاست کا حصہ بنے ان میں اشاعت اسلام، ترویج دین اور توسیع علوم کتاب وسنت پوری قوت کے ساتھ ہوئی اور عربی زبان کی ترویج نے معاشرے کو ہم رنگی اور ہم خیالی کا کامل نمونہ بنا دیا۔ (ریڈیو پاکستان کے سیمینار میں پڑھا گیا)

جناب جنرل مرزا اسلم بیگ

افغانستان اور علاقائی سلامتی کے تقاضے

افغان قوم کے مضبوط حوصلے ملک کی سنگلاخ سرزمین سے مشابہ ہیں جو ابھی تک غیر مسلکی تسلط سے محفوظ رہی ہے' افغان عوام کی نفسیات کلیدی کردار کی حامل ہے' اور اپنی سرزمین پر غیر ملکی تسلط کی راہ میں رکاوٹ ہے حتیٰ کہ دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ نے ان کے ملک کو تباہ کردیا ہے' لیکن افغان قوم کی قوت مدافعت امریکی قابض فوجوں کے ڈیزی کٹر حملوں سے ریزہ ریزہ ہوجانے کے باوجود مستحکم ہے' القاعدہ اور طالبان افغانستان میں امریکہ کیلئے مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ افغانستان پر امریکہ کے CIA کے سربراہ کا کہنا ہے کہ ان کے اندازے کے مطابق القاعدہ و طالبان اور روس کے خلاف جنگ کے تربیت یافتہ جہادی کم وبیش ستر ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں' ان کی تعداد ساٹھ ہزار سے زیادہ ہے اور ان میں سے صرف ڈیڑھ ہزار اب تک گرفتار کئے جاچکے ہیں' باقی ماندہ جہادیوں کے خلاف جنگ کب تک جاری رہے گی اور سایوں کا تعاقب کہاں تک کامیاب ہوگا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

امریکہ نے حامد کرزئی کو قومی حکومت کا سربراہ بنایا لیکن وہ امن اور استحکام کا قیام یقینی نہیں بناسکے ہیں اور انہیں بمشکل کابل کے گردونواح تک دسترس حاصل ہے' جبکہ قبائلی جنگی سردار اپنے اپنے علاقوں میں اپنا اثرورسوخ مستحکم کررہے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ''دوشنبے پلان'' کی تکمیل کیلئے افغانستان کو پانچ نسلی علاقوں میں تقسیم کردیا گیا ہے جو اپنے اپنے جنگی سرداروں کے زیر حکمرانی ایک ابھرتی ہوئی حقیقت ہے جسے افغانستان کے سیاسی مستقبل کا حصہ بنائے بغیر کوئی حل ممکن نہیں۔

جذبہ انتقام اور غلط مشوروں اور اندازوں کے باعث صدر بش نے افغانستان کو امریکہ مخالف سرگرمیوں کا مرکز سمجھ لیا جبکہ دراصل امریکہ مخالف اسلامی تحریکوں کا مرکز مصر' عرب' شمالی افریقہ اور یورپ ہیں' یہ حقیقت ہے کہ 11 ستمبر کے واقعہ میں ملوث افراد میں 15 کا تعلق سعودی عرب' 2 کا متحدہ امارات' ایک کا مصر اور باقی ماندہ کا تعلق لبنان سے ہے' اسکے باوجود امریکہ کا قہر پہلے سے تباہ حال افغانیوں پر ٹوٹا جنہوں نے اس کے دیرینہ دشمن روس کو عالمی طاقت کے میدان سے باہر کرکے امریکی خواب کی تکمیل کی تھی' یہ حقائق اب سامنے آرہے ہیں کہ القاعدہ اور طالبان کے مفروضے امریکہ نے اپنے دیرینہ خواب کو حقیقت کا رنگ دینے کیلئے ایجاد کئے جنہیں روس کے ٹوٹنے کے بعد ایک جامع حکمت عملی کے تحت عملی شکل دی جارہی ہے اور جس کا مقصد یوریشیا (چین روس اور یورپ کے علاقوں پر مشتمل) کے

گردو حصار قائم کر کے اپنے مفادات کو تحفظ مہیا کرنا ہے لہذا مغربی محاذ پر نیٹو کی افواج نے محاذ قائم کیا ہے جبکہ جنوبی دفاعی محاذ کیلئے امریکہ نے کوریا اور جاپان میں اپنی افواج کو استعمال کیا ہے' یوریشیا کے جنوب میں یہ محاذ افغانستان' ازبکستان اور تاجکستان تک پھیلا ہوا ہے' اور اسے مزید عراق تک پھیلانے کی کوشش جاری ہے' تا کہ یوریشیا اور ایران کا محاصرہ مکمل ہو سکے۔

یہ بات عیاں ہے کہ امریکہ افغانستان میں جنگ کے مقاصد کے حصول میں ناکام رہا' ایک سال گزرنے کے باوجود تعمیر نو کے کام میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی نہ ہی کوئی ایسا جامع منصوبہ بنا کہ جس سے افغان عوام کے مصائب کا مداوا ہو سکے' اس کے باوجود امریکہ عراق پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور عراق میں اپنی فوج داخل کر کے علاقے کے تمام ممالک کو اپنے سیاسی اور معاشی نظریات کے تابع کرنا چاہتا ہے تا کہ ان کی منڈیوں تک رسائی ممکن ہو سکے' یہ صرف عراق کا اپنا تیل نہیں جس پر امریکہ صدام حسین کو برطرف کرنا چاہتا ہے' وہ خلیج فارس کی سلامتی کو یقینی بنانا چاہتا ہے جس راستے سے دنیا کا ایک چوتھائی تیل ترقی یافتہ ممالک کو ترسیل ہوتا ہے۔

مسلم ممالک کی فوجی قوت کو توڑنے کی منصوبہ بندی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی' بقول رامسے کلارک ''عراق کا کویت میں داخلہ بغیر خون کا قطرہ گرائے امریکی مداخلت کا موجب بنا لیکن صرف دس سال قبل واشنگٹن نے 1980ء میں ایران پر عراق کے حملے کی اخلاقی طور پر مذمت نہیں کی کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ دونوں ممالک آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں''۔ ڈاکٹر ہنری کسنجر کا کہنا تھا کہ ''اسلامی ممالک کے پاس تیل جیسا موثر ہتھیار نہیں رہنا چاہیے'' اور یہی وجہ ہے کہ 1990ء کی خلیجی جنگ میں تمام تر درندگیوں کے باوجود صرف اور صرف انہی مقاصد کے حصول کی ایک کوشش تھی۔

سعودی عرب ایک ایسا ملک ہے جو اس وقت تیل کی پیداوار میں اضافہ کر دیتا ہے' جب قیمتیں زیادہ ہوں اور جب قیمتیں کم ہوں تو اس میں کمی کر دیتا ہے' لیکن 11 ستمبر کے واقعات نے صورتحال تبدیل کر دی ہے۔ سعودی شاہی خاندان اب دباؤ میں ہے' عراق کے گرد و پیش جدید اسلحہ سے لیس افواج متعین کر دی گئی ہیں' اگر صدام حسین کے خلاف اندرون ملک کوئی بغاوت نہیں ہوتی تو جنگ کسی بھی لمحے چھڑ سکتی ہے' البتہ عراق ہی اصل ہدف نہیں ہے' بلکہ اصل ہدف ایران ہے جسے اسرائیل اپنا ازلی دشمن تصور کرتا ہے۔ اسرائیلی سوچ کے مطابق ایران ہی وہ خوفناک دشمن ہے جو بہت جلد جوہری اسلحہ کی تیاری کے قابل ہو جائیگا' اس پر مستزاد یہ کہ اس نے درمیانی فاصلے تک مار کرنے والے میزائل (شہاب ۳ اور ۴) بنا لئے ہیں جو تل ابیب کو نشانہ بنا سکتے ہیں' اور یہی سبب ہے کہ اسرائیل کا وزیر دفاع ایران کی جوہری تنصیبات پر حملہ کرنے پر زور دے رہا ہے۔ اسکے اس جارحانہ انداز کی وجہ امریکہ کی طرف سے دیئے جانے والے F-15 ہوائی جہاز اور بیلسٹک میزائل ہیں جو آسانی سے ایران میں کسی بھی جگہ کو نشانہ بنا سکتے ہیں' انہیں خطرات کے پیش نظر ایران نے یورینیم کی افزودگی اور جوہری توانائی کے پروگرام کا برملا اعلان کر دیا ہے۔

دہشت گردوں پر قابو پانا تو درکنار امریکہ اپنے اتحادیوں کو بھی مطمئن نہیں کر سکا۔ مثلاً یورپی یونین جو کہ عالمی طاقت میں اپنا حصہ چاہتا ہے' امریکہ کی موجودہ لاقانونیت پر مبنی پالیسیوں کے خلاف ہے اور یہ صورت حال ایک خطرناک انجام کی طرف جارہی ہے' جس سے بچنے کیلئے انسانیت کو وقت درکار ہے' تہذیبوں کے ٹکراؤ' کا فلسفہ بھی ایسا ہی من گھڑت خیال ہے' دوسری تہذیبوں کو' برائی کی جڑ اور بدمعاش'' سمجھ کر اپنی تہذیب کا تحفظ اور اپنی بڑائی ثابت کرنا دھوکہ اور گمان ہے' بلکہ آدمیت کا قتل ہے جہاں تہذیبی شناخت پس پشت ڈال دی جاتی ہے' دہشتگردی کے پس پردہ قتل عام ایسی ہی پالیسیوں کا اظہار ہے جس طرح امریکہ نے اسرائیل' بھارت اور روس کو قابل رشک حکومتی نمونہ قرار دے کر فلسطین' کشمیر اور چیچنیا میں جاری آزادی کی مقدس تحریکوں کو دہشتگردی کا نام دے کر کچلنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور مسلمانوں کو دہشتگردی کے ہمدرد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے' لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ مسلمان تشدد اور دہشتگردی کی طرف کیوں مائل ہوئے جبکہ تاریخ کچھ اور ہی منظر پیش کرتی ہے۔ مثلاً دوسری عالمی جنگ کے بعد عالمی افق پر' متعدد آزاد اسلامی ریاستوں کا ظہور ہوا' جب کہ اس سے قبل صرف تین ممالک حقیقی معنوں میں آزاد اسلامی حکومتیں تھیں' افغانستان ایران اور ترکی لیکن چند عشروں کے دوران 57 اسلامی ممالک کے قیام نے عالمی سطح پر تزویراتی اثرات مرتب کئے جسے بلاشبہ عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور کہا جاسکتا ہے' یہ ممالک صرف یہ چاہتے ہیں کہ انہیں عزت و آزادی کیساتھ جینے کا حق حاصل ہو لیکن سامراجی طاقتوں' پڑوسیوں اور اندرون ملک سیاسی تضادات اور اقتصادی عدم مساوات کے حامل طبقوں سے ٹکراؤں کی کیفیت پیدا ہوئی جسے آج ''تہذیبوں کی جنگ'' کہا جاتا ہے جبکہ درحقیقت یہ انسانی معاشرے کا تجدیدی عمل ہے۔ جسے تہذیبوں کا ٹکراؤ اسلئے کہا گیا ہے تاکہ امریکہ کو ایک نیا دشمن مل جائے جسکے خلاف فوجی ساز و سامان کی تیاری اور اس میں مصروفِ عمل کارخانوں کیلئے توجیہہ پیش کی جاسکے۔ سرد جنگ کے خاتمے پر روس کے سابق وزیراعظم نے کہا تھا کہ ''سوویت یونین کے خاتمہ نے امریکہ کو دشمن سے محروم کر دیا ہے' اس کمی کو پورا کرنے کیلئے امریکی دانشوروں نے اسلام کو بطور دشمن پیش کیا ہے'' جسکے ساتھ اس کے تعلقات صدیوں پر محیط تھے۔

نو آزاد مسلم ممالک کے لئے بغیر کسی تعاون اور مدد کے اپنی امنگوں کو عملی جامہ پہنانا مشکل تھا اسلئے کہ وہ بیحد غریب اور پسماندہ تھے۔ او' آئی' سی میں شامل 57 اسلامی ممالک جو عالمی آبادی کا ایک بلین سے زیادہ ہیں اور ان میں سے 29 ممالک کی اوسط شرح آمدن ایک ہزار ڈالر سالانہ ہے' اگر آپ برونائی' کویت' بحرین اور سعودی عرب کو الگ کر دیں تو تمام او آئی سی کی اوسط شرح آمدن 500 ڈالر سالانہ رہ جاتی ہے اسلئے مسلمانوں کا غم و غصہ بجا ہے' کیونکہ انکے وسائل اور استعدادی طاقت کا استحصال کیا جارہا ہے' تیل پیدا کرنے والوں کا قیمتوں کے تعین میں کوئی کردار نہیں' بہت سے امیر اور با اثر ممالک کرائے کی اقتصادیات پر زندہ ہیں جن میں ان کی کوئی سرمایہ کاری نہیں' سعودی عرب نے گزشتہ 25 سالوں میں کھربوں ڈالر کمائے ہیں' لیکن یہ تلخ حقیقت ہے کہ آج وہ بھاری قرضے تلے دبا ہوا ہے۔

مسلمانوں کا مسئلہ بڑے پیمانے پر ہتھیاروں کا خریدنا ہے جو ہتھیار بیچنے والے ممالک انہیں بیش بہا قیمتوں پر دیتے ہیں 1987ء سے 1997ء تک سعودی عرب نے 262 بلین ڈالر اپنی افواج پر خرچ کئے جبکہ 1995 سے 1997ء تک یورپ اور امریکہ سے ہتھیاروں کی درآمد پر 31 ملین ڈالر سے زیادہ خرچ کئے گئے۔ 1989ء سے لیکر اب تک امریکہ نے 40.6 بلین ڈالر کا اسلحہ فراہم کیا ہے۔...... سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی دولت کا اتنا بے دریغ ضیاع کیوں ہو رہا ہے' کیا ان وسائل کا رخ انسانیت کی بہتری کی طرف نہیں موڑا جا سکتا۔ بیرونی دنیا کے دباؤ سے قطع نظر مسلمان اندرونی طور پر اپنے حکمرانوں کی سفاکیوں کا بھی شکار ہیں۔ مسلم دنیا میں شخصی حاکمیت 38 ممالک میں سے 22 ممالک میں قائم ہے جہاں مطلق العان حکمران ہیں' 8 ممالک میں روایتی بادشاہت قائم ہے' اور کچھ انتہائی مفلوک الحال ہیں' اگر ٹھنڈے دل سے تجزیہ کیا جائے تو مسلمان ممالک برداشت سے زیادہ دباؤ کا شکار ہیں' لیکن جس چیز نے ان کے غم وغصہ میں اضافہ کیا ہے وہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا جانب دارانہ طرز عمل ہے جو اسرائیل اور بھارت کی تمام تر انسانیت سوز کاروائیوں' نسل کشی' ایٹمی پھیلاؤ اور اقوام متحدہ کے منشور کی صریح خلاف ورزیوں کے باوجود قابل سزا نہیں۔

دہشت گردی وہ عمل ہے جس کی دین اسلام اجازت نہیں دیتا' لیکن مسلمان صرف یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب ٹھیک نہیں ہے جب وہ مسلمان بھائیوں کو بے دردی سے ہلاک ہوتے دیکھتے ہیں تو انہیں اپنی دینی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے' کیونکہ جہاد ایک فریضہ ہے جسے بجالانا ان پر واجب ہے' قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''آخر تمہارے راستے میں وہ کون سی رکاوٹ ہے کہ تم ان بے سہارا مرد' عورتوں اور بچوں کی مدد کو نہیں پہنچتے جو اپنی کمزوری کے سبب ظلم و بربریت کا شکار ہیں' اور تمہیں پکار رہے ہیں کہ تم انہیں ظالموں سے نجات دلاؤ'' جہاد اور دہشت گردی دو متضاد اصطلاحیں ہیں اور مسلمانوں کو مورد الزام قرار دینے والے ان میں فرق نہیں کرتے' اسلئے افغانستان' چیچنیا' فلسطین اور کشمیر میں جاری بربریت کے خلاف جہادی پیدا ہوتے رہیں گے جب تک عالمی ضمیر کے ٹھیکیداران مظالم کو بند کرانے میں اپنا کردار ادا نہیں کرتے۔...... امریکہ نے اعلان کیا ہے کہ اگر اسے سلامتی کونسل سے ویٹو کا خطرہ ہوا تو براہ راست کاروائی کر کے عراق پر تسلط قائم کر لے گا' جس کے خلاف فرانس' جرمنی' بیلجیئم اور روس احتجاج کر رہے ہیں' کیونکہ بش اور ٹونی بلیئر نے عراق میں تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی موجودگی کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں دیا' جبکہ اسرائیل کے پاس ایسے ہتھیار موجود ہیں لیکن اس کے متعلق کوئی بات نہیں کرتا۔ یہ وہ دوہرا معیار ہے جو نفرتوں کی بنیاد ہے اور سارے فساد کی جڑ ہے۔...... مسلمان ملکوں کو نئے حقائق کا ادراک کرنا چاہیے جو عالمی نظام کے ساتھ منسلک ہے' جب تک عالمی رائے عامہ ان حالات کو متوازن بنانے کے لئے متحد نہیں ہوتی' انہیں پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا' بلاشبہ انہیں درپیش مسائل لامحدود ہیں' اور غور کرنا ہوگا کہ کن عوامل نے انہیں تہذیبی علمبرداروں کے مقام سے نیچے گرایا ہے جبکہ علم' سائنس' فنون حرب اور فلسفہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا' مسلمانوں نے نہ صرف سائنس

اور ریاضی سے اغماض برتا بلکہ اپنے تمام وسائل کو اپنے ذاتی مفادات اور اقتدار کو مستحکم بنانا کے لئے صرف کیا جس سے مسلم معاشرہ تضادات کا شکار ہو گیا اور بلآخر فرقہ واریت نے جنم لیا۔ ایسے اقدامات جو انہیں یکجہتی اور ملی یگانگت کی طرف لے جاتے انہیں چھوڑ کر وہ عمومی مسائل کا شکار ہو گئے۔ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے کیلئے مسلمان دانشوروں کو قابل عمل حکمت عملی وضع کرنی چاہیے اس لئے کہ مسلم امہ کو درپیش صورت حال ایک مضبوط قابل عمل حل کی متقاضی ہے۔...... افغانستان کے دو پڑوسی ممالک پاکستان اور ایران قدرتی اتحادی ہیں اور نمایاں اہمیت کے حامل ہیں' دوستی کے رشتے مضبوط کرتے ہوئے اپنے اردگرد منڈلاتے ہوئے طوفان کے مقابلے کے لئے تیاریاں ضروری ہیں' ان ممالک کی تاریخی' ثقافتی اور نظریاتی سرحدیں ایک ہیں لیکن افسوس کہ ان کے تعلقات میں سرد مہری ہے' باہم ربط اور گرمجوشی کا فقدان ہے جسے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے غیر متزلزل عزم کی ضرورت ہے۔ 1990 کی خلیج کی جنگ کے بعد پاکستان' ایران' اور افغانستان کے مابین (Strategic Depth) کا نظریہ منظر عام پر آیا تھا' جسے غلط معنی دیئے گئے۔ یہ نظریہ پیش کرنے کا مقصد باہمی اقتصادی تعاون اور بھائی چارے کو فروغ دینا تھا جس طرح سے یورپی یونین نے اتحاد سے سیاسی اہمیت بڑھائی ہے' یورپی کمیشن کے رکن کرس پیٹرن نے اپنے دورہ بھارت میں کہا تھا ''مشترکہ خارجہ اور سلامتی پر اتفاق کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ تمام ممالک کی ایک پالیسی ہوگی' اس وقت اور آئندہ بھی 15 وزرائے خارجہ اپنی خارجہ پالیسیاں اپنی اپنی ترجیحات کے تحت بنائیں گے' کیونکہ ہم امریکہ کی طرح ایک اعلیٰ مملکت بنانا نہیں چاہتے' ہم یہ چاہتے ہیں کہ مشترکہ کوششوں سے اپنی استعدادی طاقت کو بجا طور پر استعمال کر کے عالمی اور علاقائی مسائل کے حل میں اپنا کردار ادا کریں'' یہ وہ خیال تھا جس کے تحت پاکستان' ایران' اور افغانستان کے مابین مضبوط باہمی تعاون اور رابطے (Strategic Depth) کا نظریہ پیش کیا گیا تھا' جس کے متعلق یہ غلط تاثر دیا گیا کہ اس نظریے کا مقصد بھارت کے ساتھ جنگ کی صورت میں افغانستان اور ایران کی سرزمین کو علاقائی وسعت حاصل کرنے کیلئے استعمال کیا جائے گا۔ جو نہ صرف غلط ہے بلکہ پاکستان کی جنگی پالیسی کی نفی بھی کرتا ہے' پاکستان کی جنگی پالیسی یہ ہے کہ تمام علاقوں کے دفاع کے ساتھ ساتھ سرحدوں کی خلاف ورزی کرنے والے کو شکست دینا افواج پاکستان کی اولین ذمہ داری ہے۔

پاکستان اور ایران کو تمام جز وقتی پالیسیوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ افغانستان میں قیام امن کے بغیر خطے میں امن کا قیام ناممکن ہے اور بغیر امن کے ترقی کی توقع کرنا حماقت ہے' ایک دوسرے پر الزام تراشی کے بجائے افغانستان کے بہتر مستقبل کیلئے مثبت اقدامات کرنے چاہیں۔ طالبان کی مذمت کرنے کے بجائے ہمیں افغانستان کے وسیع تر مفاد کے پس منظر میں صورتحال کا جائزہ لینا چاہیے' اب ہمیں آگے کی طرف دیکھنا ہوگا اور اس حقیقت کا سامنا کرنا ہوگا کہ افغانستان میں کس طرح ایک با مقصد سیاسی نظام کے قیام کیلئے اکثریت اور اقلیتوں کے حقوق کی ضمانت ممکن ہوسکتی ہے۔ پہلے قدم کے طور پر افغانستان میں مردم شماری کا عمل شروع

کرنا ضروری ہے جس سے آبادی کی تقسیم کا اندازہ ہو سکے۔ اسکے بعد انتخابات کرائے جائیں تاکہ ایک وفاقی اسلامی حکومت کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ موجودہ حالات میں الیکشن کرانا' جب کہ شمالی اتحاد کی حکومت قائم ہے بے معنی عمل ہوگا جسے پختون اکثریت رد کرے گی۔ .... سویت یونین کی شکست کے بعد امریکہ کے تحت یک مرکزی نظام (Unipolar World Order) کو برتری حاصل ہوئی' پاکستان کا امریکہ کی طرف جھکاؤ اور انحصار بڑھا جبکہ بھارت دونوں حریفوں سے یکساں مستفید ہوتا رہا ہے۔ امریکہ کی طرف یک طرفہ جھکاؤ سے پاکستان کو نقصان ہوا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ چین کے ساتھ تعلقات کو مزید مستحکم بنایا جائے۔ اور روس سے تعلقات کو معمول پر لایا جائے کیونکہ توازن زندگی کی روح ہے اور خصوصاً اس وقت جب کہ عالمی نظام میں تبدیلی ظہور پذیر ہو رہی ہے' لہٰذا پاکستان کو توازن برقرار رکھتے ہوئے اپنا مقام کسی خاص سمت میں نہیں بلکہ صحیح مقام پر قائم رکھنا اشد ضروری ہے۔

افغانستان کے خلاف امریکہ کی جنگ کے بعد زمانے کے انداز بدلے گئے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ (War on Terror) کی کوکھ سے ایٹمی خوف کے توازن (Balance of Terror) نے جنم لیا ہے' جس کے مرکزی کردار شمالی کوریا اور پاکستان ہیں اور اب ایران بھی اس صف میں شامل ہوتا نظر آ رہا ہے کیونکہ ایران کا یہ اعلان کہ اس نے ایٹمی توانائی کے حصول کیلئے یورینیم کی افزدگی کا کام شروع کر دیا ہے' اس بات کی طرف کھلا اشارہ ہے۔ ان ممالک کی قوت مدافعت (Strategic Defence) کے سبب یک مرکزی عالمی نظام کا توازن تبدیل ہوتا نظر آ رہا ہے اور دوسری جانب یورپی ممالک نے فرانس' جرمنی' اور بیلجیم کی سربراہی میں امریکہ' برطانیہ اور آسٹریلیا (Anglo Saxons) کے خلاف قوت مدافعت کا مظاہرہ کر کے یورپ کے خلاف گھیراؤ کی سازش کو ناکام بنایا ہے اور یہ واضح پیغام دیا ہے کہ یورپی ممالک کو نیٹو (Nato) کی افواج پر امریکہ کی برتری قبول نہیں ہے کیونکہ انہیں عسکری طاقت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ افہام و تفہیم اور سیاسی مذاکرات کے ذریعے یورو ایشیا میں امن و امان اور ترقی کی نئی بنیادیں قائم کرنے کی ضرورت ہے' تاکہ ایسی قدریں جنم پائیں جو نئے یورپی مزاج سے ہم آہنگ ہوں۔

یہ وہ مناظر ہیں جو عالمی طاقت کے توازن کے بدلتے ہوئے خطوط کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس وقت کے منتظر ہیں کہ اس نئی عالمی طاقت کے ابھرتے ہوئے نئے مراکز کی باگ ڈور کون سنبھالے گا۔ یہ باگ ڈور کسی ایک ملک کے ہاتھ میں نہیں ہوگی اسلئے کہ یہ ایک خطرناک روایت ہے جو سرد جنگ کے بعد صرف امریکہ کے ہاتھوں میں ہے جس کی عالمی بالادستی کی حکمت عملی کے سبب ساری دنیا عتاب میں آئی ہوئی ہے۔ اسلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جس طرح فرانس' جرمنی اور بیلجیم نے اجتماعی قیادت کا تصور پیش کیا ہے' اسی طرح چین اور روس کو بھی اپنی ترجیحات کا تعین کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ''مشترکہ کوششوں سے اپنی استعدادی صلاحیتوں کو بجا طور پر استعمال کر کے عالمی اور علاقائی مسائل حل کئے جاسکیں۔''

جناب محمد یونس میو
اسسٹنٹ پروفیسر، ڈسکہ

''مولانا اشرف علی تھانوی بطور شارح حافظ شیرازی''

(افکارِ اقبال کے تناظر میں)

مولانا اشرف علی تھانوی امت کا فکری وعلمی اختلافات کی جس طرح تاویل وتطبیق کرتے ہیں برصغیر میں شاہ ولی اللہ سے ادھر اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ علامہ محمد اقبال نے اسرار ورموز لکھی تو اس میں حافظ شیرازی کے بعض افکار پر فکری انتقاد فرمایا جس کے ردِ عمل میں ایک علمی بحث کا آغاز ہوا، اس بحث کے فکری تناظر میں مولانا تھانوی نے ''عرفان حافظ'' کے نام سے حافظ شیرازی کے ان اشعار کی شرح لکھی جو تحقیقاتِ حالاتِ باطنی [1] سے متعلق ہیں اور غالباً یہی وہ اشعار ہیں جن کا تعلق حافظ کے تصوف سے ہے اور جس سے اقبال نے مسلک گوسفندی کہہ کر اعراض واجب قرار دیا ہے۔ [2] غالباً اقبال پہلے شخص ہیں جنہوں نے حافظ کی شاعری میں اس فکری رجحان کی نشاندہی کی اور پھر اس کے اثرات ونتائج سے بھی خبردار کیا۔ اقبال کو حافظ پر کس نوعیت کے اعتراضات ہیں؟ اور وہ اس میں کس حد تک حق بجانب ہیں؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسرارِ خودی کے ان اشعار میں سے چند ایک قارئین کی نذر کردیئے جائیں جن کو اقبال نے بعد ازاں مثنوی سے خارج کردیا تھا۔

ان اشعار کی تعداد پینتیس ہے۔ آپ نے ان میں سے چار مرتبہ حافظ کا نام لیا ہے، افلاطون یونانی پر بھی یہاں ۲۱ اشعار ملتے ہیں، جو اَب بھی جوں کے توں ہیں [3] :

حافظ سے متعلق خارج شدہ اشعار کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

ہوشیار از حافظ صہبا گسار
جامش از زہر اجل سرمایہ دار
مسلم و ایمان او زنّار دار
رخنہ اندر دِینش از مژگانِ یار
آنچناں مست شراب بندگی است
خواجہ و محرومِ ذوق خواجگی است

آں فقیر ملتِ میخوارگان
آں امام امت بیچارگاں
گوسفند است و نوا آموخت است
عشوہ و ناز و ادا آموخت است
ضعف را نامِ توانائی دہد
سازِ او اقوام را اغوا کند
نغمہءِ چنگش دلیل انحطاط
ہاتف او جبرئیلِ انحطاط
بگذر از جامش کہ در مینائے خویش
چوں مریدانِ حسن دارد حشیش
بے نیاز از محفل حافظ گزر
الحذر از گوسفنداں الحذر (۴)

ان اشعار کے علاوہ ''خطوط اقبال'' اور ''تاریخ تصوف'' (۵) میں بھی حافظ پر تنقیدی شذرے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے یہ سب کچھ ایک عمیق مطالعہ اور غور وفکر کے بعد لکھا تھا۔ آپ نے نہ صرف حافظ کی شاعری پر تنقیدی نظر ڈالی ہے بلکہ اس کو عالم اسلام کے سیاسی و مذہبی پس منظر میں دیکھا ہے' (۶) علامہ کو ایرانی و عجمی تصوف اور صوفیوں کی حالتِ سکر سے چِڑ ہے کیونکہ یہ حالت اسلام کے فلسفہ جہد وحرکت سے بے اعتنائی پر مجبور کر دیتی ہے' خواجہ حسن نظامی کو ایک خط میں حالت سکر اور حالت صحو کے بارے میں لکھا ہے:

''حالت سکر' منشائے اسلام اور قوانین حیات کے مخالف ہے' اور حالت صحو جس کا دوسرا نام اسلام ہے قوانین حیات کے عین مطابق ہے اور رسول اکرم ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ ایسے آدمی پیدا کئے جائیں جن کو مستقل حالت ''کیفیت صحو'' حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم کے صحابہؓ میں صدیق وعمرؓ تو بکثرت ہیں مگر حافظ شیرازی کوئی نظر نہیں آتا'' (۷)

علامہ اقبال کو حافظ کی حالتِ سکر و رقص پر صحت اعتراض ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو حافظ نے رندی کہا ہے' اور اس کا مقام زُہد سے بھی بلند کیا ہے۔ (۸) لیکن بقول اقبال سکر اور رندی رِند کے دل میں قوتِ حیات کو ضعیف و ناتواں کرنے والی ہے۔ (۹) اپنے ایک خط میں اقبال نے اپنی تنقید کی وجہ اسی حالت سکر کو بتایا ہے۔ ''اسرارِ خودی میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی اسے خواجہ حافظ کی شخصیت اور ولایت سے کوئی سروکار نہ تھا ان اشعار (۱۰) میں سے مے سے مراد وہ مے ہے جو لوگ ہوٹلوں میں پیتے ہیں بلکہ اس سے وہ حالت سکر (Norcotic) مراد ہے جو حافظ

نے کلام میں سے بحیثیت مجموعی پیدا ہوتی ہے۔ (۱۱) ''۔

ایک اور جگہ اس کے اثرات کا جائزہ ان الفاظ میں لیا ہے۔ ''میرے نزدیک حافظ کی شاعری نے بالخصوص اور عجمی شاعروں نے بالعموم مسلمانوں کی سیرت اور عام زندگی پر نہایت مذموم اثر کیا ہے'' (۱۲)

یہاں یہ بات لائق توجہ ہے کہ اقبال صرف حافظ ہی کا احتساب نہیں کرتا بلکہ وہ اکثر وجودی شعرائے عجم کے بارے میں یہی نقطہ نظر رکھتے ہیں کہ انہوں نے نہایت عجیب وغریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائر اسلام کی تردید وتنسیخ کی ہے اور اسلام کی ہر محمود شے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے' اسلام افلاس کو برا کہتا ہے تو حکیم سنائی افلاس کو اعلیٰ درجہ کی سعادت قرار دیتا ہے' اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لئے ضروری تصور کرتا ہے تو شعرائے عجم اس شعائر اسلام میں کوئی اور معانی تلاش کرتے ہیں (۱۳) حافظ پر اقبال کی تنقید کا وہ حصہ بھی قابل توجہ ہے جو حسن نظامیؒ سے بحث ومباحثہ اور سوال وجواب کے نتیجہ میں آپ کے مدلل قلم سے نکلا' اس علمی وتنقیدی گفتگو کا پس منظر اور زمانہ (۱۹۱۵ تا ۱۹۱۹) ایک ہی ہے لہذا نفس مضمون بھی ملتا جلتا ہی رہا ہے۔

مثلاً اپنے مضمون ''اسرار خودی اور تصوف'' میں تصوفِ حافظ کے نصب العین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''وہ اپنے اشعار کے ذریعے سے دوسروں میں وہ حالتِ کشف پیدا کرنا چاہتے ہیں جسے تصوف کی زبان میں حالتِ سکر کہتے ہیں' جبکہ رسول اکرمؐ اور صحابہؓ کی زندگی میں سکر کی بجائے مستقل کیفیت بیداری ہے' نیز یہ کہ حالت سکر' حالت زندگی کے اغراض کے منافی ہی نہیں مضر بھی ہیں۔ (۱۴) اس مضمون میں حالت سکر کی وضاحت کرتے ہیں کہ ''یہ حالت اقوام کے لئے نہایت خطرناک ہے' حافظ کی دعوت موت کی طرف ہے جس کو وہ اپنے فن کمال سے شیریں کر دیتے ہیں۔ (۱۵)

نیز اس مضمون کے آخر میں حافظ کی شاعری کے عوام وخواص پر منفی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے اورنگزیب عالمگیر کے حوالہ سے ایک طوائف کا دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ نے حافظ کے ایک شعر سے متاثر ہو کر ان تمام طوائفوں کو چھوڑ دیا جن کو دریا بُرد کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا (۱۶)۔ اقبال کی اس تنقید کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ اقبال اور حافظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ (۱۷)

آپ کو حافظ کی عیش کوشی' عقیدہ تقدیر اور تسلیم ورضا' حالت سکر وغیرہ پر اعتراض ضرور ہے لیکن اس کے باوجود ان دونوں میں بہت سی اقدار مشترک ہیں' مثلاً حافظ کے عشق کی بہت سی اقدار مشترک ہیں۔ مثلاً حافظ کے عشق کی بہت سی کیفیتیں اقبال کے عشق سے مماثلت رکھتی ہیں (۱۸)۔ اقبال حافظ کی شاعرانہ عظمت کے معترف ہیں اور ان کو دنیا کے بہترین شعراء میں شمار کرتے ہیں (۱۹) دیباچہ پیامِ مشرق میں گوئٹے کے مشہور سوانح نگار کے حوالہ سے لکھا ہے۔

''جس طرح حافظ لسان الغیب وترجمان اسرار ہے اسی طرح گوئٹے بھی ہے' اور جس طرح حافظ کے بظاہر سادہ الفاظ میں ایک جہانِ معنی آباد ہے اسی طرح گوئٹے کے بے ساختہ پن میں حقائق واسرار جلوہ افروز ہیں۔ (۲۰)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ایک مضمون میں حافظ کو جدو جہد و سعی کا شاعر ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ امید اور زندگی کا شاعر ہے اور اس کو نا امیدی اور موت کا شاعر تو کسی معنی میں نہیں سمجھا جا سکتا (۲۱) ڈاکٹر اسلم ضیاء نے ایک تجزیہ میں لکھا ہے کہ علامہ اقبال نے شعوری طور پر حافظ شیرازی کی پیروی کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے مشہور ماہر اقبالیات ڈاکٹر یوسف حسین خان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''حافظ کی فنی کیمیا گری کو اگر کسی نے سمجھا ہے اور اس کا کامیاب تتبع کیا ہے تو وہ اقبال ہیں (۲۲)۔ بہر حال حافظ اور اقبال میں کچھ قدریں مشترک ہو سکتی ہیں لیکن تصوف کے باب میں اقبال نے حافظ شیرازی سے اختلاف کیا ہے۔ جبکہ مولانا اشرف علی تھانوی نے حافظ کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے فلسفہ تصوف کی تعبیر و تاویل کی ہے۔ مولانا نے ''عرفان حافظ'' کے نام سے دیوان حافظ کے خمس کی شرح کی ہے۔ اس کتاب کی وجہ تصنیف کے بارے میں فرماتے ہیں:

''.......... کتاب لطیف ''دیوان حافظ'' کو جو اکثر عوام وخواص میں ایک خاص مقبولیت حاصل ہے' ظاہر ہے کہ میرے دل میں خود بھی خیال تھا اور بعض احباب کے اشارے سے وہ خیال اور زیادہ موکد ہو گیا کہ اس کے جو اشعار متضمن تحقیقات یا حالات باطنی ہیں ان کی مختصر اور سہل طور پر توضیح کر دی جائے .... اور چونکہ حافظ قدس سرہ بوجہ صاحبِ حال ہونے کے ان اشعار خاصہ میں بیشتر حقائق و معارف بیان فرماتے ہیں اس لئے ''مجموعہ پریشان'' کا نام ''عرفان حافظ'' رکھنا زیادہ موزوں معلوم ہوا (۲۳)۔

اقبالؒ اور مولانا تھانویؒ کے افکار کے تقابل و موازنہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اقبال نے حافظ کی تنقید ہر دو اعتبار سے کی ہے یعنی بحیثیت صوفی اور بحیثیت شاعر (۲۴)۔ اقبال نے حافظ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف تو کیا ہے تاہم ان کے کام کی قدر و قیمت کا اندازہ علم الحیات کے اعتبار سے کیا ہے (۲۵)۔ اپنے ایک خط میں مولانا جامیؔ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''خواجہ'' کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنی نسبت بھی درست کی تھی یا نہیں۔ اسی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حافظ کو ایک صوفی کے طور پر قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں (۲۶) اور حافظ کے تصوف سے واضح اختلاف کرتے ہیں۔ (۲۷)

دوسری طرف صورتِ احوال بالکل مختلف ہے کہ مولانا تھانوی بنیادی طور پر حافظ کی ایک صوفی اور ''صاحبِ حال'' کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ آپ خواجہ کا ابلاغ چاہتے ہیں اور اس امر میں ممکنہ اعتراضات اور شکوک و شبہات کا ازالہ بھی کرتے ہیں' چنانچہ ''عرفان حافظ'' کے نام سے دیوان حافظ کی خمس و قدرے زائد حصہ کی جو شرح فرمائی ہے اس کی غایت بھی یہی بیان کرتے ہیں'' .... اس شرح کے شروع کرنے سے صرف یہ امر تھا کہ کلام کا طرز معلوم ہو جائے تا کہ مطالعین دیوان (حافظ) اغلاط و زلات اعتقادیہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں (۲۸)۔

خواجہ حافظ شیرازی کا نصب العین کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ ان کے دیوان میں ساقی و شاہد' شراب و شباب' رندی و مستی' مے نوشی اور عیش کوشی کے تذکرے سے مستی کے جذبات کو تحریک ملتی ہے' مولانا شبلی نے حافظ کے شاعری کے

ان اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے خوب تبصرہ فرمایا ہے۔ "یہ بحث چھوڑ دو کہ خواجہ صاحب کی شراب معرفت کی شراب ہے یا انگور کی، مستی دونوں کی ایک ہے[۲۹]۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

دیوان کا آغاز میں ساقی و جام سے ہوا ہے: ؎

الا　یاایھا　الساقی　ادر　کأساً　و　ناولھا

کہ　عشق　آساں　نمود　اول　ولے　افتاد　مشکلہا[۲۲]

مولانا تھانوی یہاں ساقی سے مراد محبوب حقیقی اور کاس سے مراد جذب عشق حقیقی مراد لیتے ہیں۔ گویا عاشق اپنے معشوق سے التجا کرتا ہے کہ مجھے اپنی طرف متجذب کیجئے تا کہ راہ عشق (سلوک) کی ان دیکھی طبقات آپ کے التفات سے سہل ہو جائیں[۳۱]۔

یہ پہلی غزل کا پہلا شعر ہے تیسرے شعر میں "سالک بیخبر" کی ترکیب سے بھی مولانا کی شرح کی تائید ہوتی ہے۔ حافظ نے مے خوری اور رندی کا ذکر کس خوش دلی سے کیا ہے۔

حافظا　مے　خور　و　رِندی　کن　و　خوش　باش　ولے

دامِ　تزویر　مکن　چوں　دِگراں　قرآں　را[۳۲]

"اے حافظ شراب پی اور رندی کر اور خوش رہ لیکن دوسروں کی طرح قرآں کو مکاری کا جال نہ بنا"

اس شعر سے اندازہ ہو رہا ہے کہ حافظ مے خوری اور رندی کو جائز قرار دے رہے ہیں، لیکن مولانا تھانوی اس کی تشریح اپنے مخصوص متصوفانہ انداز میں کرتے ہیں۔

"اس سے اجازت واباحت نہیں بلکہ مبالغہ سے تزویر کی تقبیح میں جیسا ہمارے محاورہ میں کیا کرتے ہیں کہ زہر کھالینا مگر فلاں شخص کا کھانا مت کھانا یعنی وہ زہر سے بھی بدتر ہے پس اس طریق پر اس کا مطلب ہے کہ ظاہری گناہ کا کام کرلینا مگر دین کو ذریعہ تزویر مت کرنا یعنی یہ عمل سب معاصی سے بدتر ہے[۳۳]۔"

روزہ　یکسو　شد　وَ　عِید　آمد　و　دِلہا　برخاست

می　بمیخانہ　بجوش　آمد　وَ　می　باید　خواست

ساقی　بیار　بادہ　کہ　ماہ　صیام　رفت

در　دہ　قدح　کہ　موسم　ناموس　و　نام　رفت[۳۴]

"روزہ ختم ہوا اور عید آئی اور دلوں میں اٹھان پیدا ہوا، شراب، شراب خانوں میں جوش میں آ گئی لہذا اور زیادہ طلب کرنا چاہیے"

"اے ساقی شراب لا کر روزوں کا مہینہ گیا، پیالہ دے اس لئے کہ نام وناموس کا مہینہ رخصت ہو گیا"

عام طور پر مشہور ہے کہ مے خوار اپنی مے سے عید کی خوشیوں کو دوبالا کرتے ہیں بظاہر حافظ بھی یہی کہہ رہے ہیں، لیکن مولانا تھانوی ان اشعار کی تصوف وسلوک اور ریاضت ومجاہدہ کے نام کرتے ہیں اول الذکر شعر کی شرح میں فرماتے ہیں

''روزہ سے مراد ریاضت ومجاہدہ، عید از وصل ومشاہدہ یعنی الحمدللہ زمانہ مجاہدہ کا گزر گیا اور وقت وصال ومشاہدہ کا آ گیا اور قلوب میں نشاط وفرحتِ وصل سے جوش پیدا ہوگیا، اور عشق ومحبت میں ترقی ہوئی اور اس میں ترقی کی اور طلب چاہیے، پس مصرعہ اولیٰ میں اشارہ ہے کہ مشاہدہ کے لئے مجاہدہ شرط عادی ہے اور مصرعہ ثانی میں اشارہ ہے کہ بعد وصول و وصال مقصود سالک کو بس نہ کرنا چاہیے بلکہ طلب اور طاعت میں طالب کو مزید سرگرم ہونا چاہیے (۳۵)۔'' مولانا اشرف علی تھانوی کے یہاں ''طریق وصل الی اللہ دو ہیں'' طریق زہد اور طریق عشق'' مولانا کا خیال ہے کہ حافظ نے آخر کار طریق عشق ہی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ حافظ کے شعر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اے ساقی عنایت ازلی مجھ کو طریق عشق عطا فرما کہ زہد کا زمانہ رخصت ہوا۔ اب قدح عشق پلا دیجئے اور اس میں رسوائی ہوگی مگر ناموس کا زمانہ بھی گیا یا تو یہ مراد ہے کہ اس زہد حقیقی سے پہلے جو زہد ریائی اختیار کیا تھا وہ بھی گیا یا یہ مراد ہے کہ زہد حقیقی میں بھی گو نام وناموس کا لحاظ نہ ہو مگر طبیعت پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ عشق میں بھی یہ نہیں رہتا (۳۶)''

دیوان حافظ سے ساقی وشاہد اور شراب وشباب پر اشعار کا انتخاب کچھ آسان نہیں ہے بہر حال کوشش کی گئی ہے کہ ایسے اشعار لائے جائیں جن پر بظاہر اقبال کو اعتراض ہوسکتا ہے اور جو مجازی معانی رکھتے ہیں۔ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ مولانا تھانوی ان اشعار کی کس طرح تاویل کرتے ہیں اور حافظ پر اقبال کا اعتراض کیونکر رفع ہوسکتا ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ساقیم خضرست و مے آب حیات
توبہ از مے چوں کنم ہیہات ہات
بادۂ تلخ از لبِ شیریں لباں
در حلاوت می برد آب از نبات
جز بآب آتشیں یعنی شراب
حل نمی گردد مرا ایں مشکلات
حاصل عمر تو حافظ در جہاں
بادہ صافی ست باقی ترہات (۳۷)

''میرا ساقی خضر ہے اور شراب آب حیات ہے، ہائے افسوس میں شراب سے کس طرح توبہ کرلوں، لاشراب لاء شیریں ہونٹ والوں کے ہونٹ سے تلخ شراب، مٹھاس میں مصری کو شرمندہ کردیتی ہے، آتشیں پانی یعنی شراب کے سوا، میری یہ

مشکلات حل نہ ہوں گی' اے حافظ دنیا میں تیری زندگی کا حاصل صاف شراب ہے باقی بیہودگی ہے''

ایک عام قاری جب اس غزل کو پڑھتا ہے تو اس کا ذہن حافظ پر اقبال کی اس تنقید کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ''آں فقیہ ملت می خوارگاں'' یعنی حافظ شرابیوں اور می خواروں کی ملت کے امام اور فقیہ ہیں'' لیکن مولانا تھانوی ان اشعار کی کچھ اور ہی تشریح فرمارہے ہیں۔

''ان اشعار میں مدح اور طلب ہے عشق کی اور بیان ہے اس کے بعض آثار کا اور تحریص ہے اس کا شدائد کے تحمل پر' شراب آب حیات ہے (عشق) تو اسے کیونکہ ترک کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بات تو عام ہے کہ عشق میں جو شدائد محبوب کی طرف سے پیش آئیں وہ لذات سے بھی زیادہ لذت بخش ہیں' مقطع میں ''بادۂ صافی'' سے مراد محبت الٰہیہ ہے کہ بجز اسکے عمر میں جن مشاغل و مقاصد میں صرف کیا جائے سب فضول اور بیکار ہیں (۳۸)۔

دیوان حافظ میں بعض اشعار ایسے بھی ملتے ہیں جن میں مستعمل تلمیحات و تشبیہات کی بنا پر کسی باطنی معنی کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن مولانا تھانوی اپنی دقتِ نظر سے ان اشعار میں باطنی معانی کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا کی تحقیق قابل ملاحظہ ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را (۳۹)

''اگر یہ شیرازی معشوق' ہمارا دل تھام لے تو اس کے دلفریب تل کے عوض میں سمرقند و بخارا بخش دوں''

شعر کا مضمون عیاں ہے کہ شیراز کا محبوب اپنے دیدار سے ہم کنار کرے تو میں صرف اس کے ایک سیاہ تل کے عوض سمرقند و بخارا نثار کر دوں لیکن باطنی معانی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ ''اگر محبوب حقیقی اپنے تجلیات سے مشرف فرمادے تو اس کی ادنیٰ تجلی کے مقابلہ میں دونوں عالم کو فدا کر دوں کیونکہ مقصود بالذات کے سامنے مقصود بالغرض کی طرف التفات نہیں ہوا کرتا (۴۰)

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آبِ رُکنا باد و گلگشتِ مصلیٰ را (۴۱)

''اے ساقی باقی شراب بھی دے دے اس لئے کہ جنت میں رکنا آباد کی نہر کا کنارہ اور مصلیٰ کی سیرگاہ نہ پاسکے گا''

رکنا آباد شیراز کی مشہور سیرگاہ ہے اب تو محض ذرا سی نہر رہ گئی ہے (۴۲)۔ مصلیٰ (عیدگاہ) ایک مقام ہے جو حافظ کا مدفن ہے اب حافظیہ کے نام سے مشہور ہے۔ لوگ زیارت کو جاتے ہیں' کھاتے پیتے ہیں' چائے نوشی ہوتی ہے مینوش حضرات شراب بھی پیتے ہیں اور حافظ کے نام کی شراب زمین پر گرادیتے ہیں۔ (۴۳)۔ ان تفصیلات کے پس منظر میں ایک عامی یہ باور کرنے میں حق بجانب ہو سکتا ہے' حافظ رکنا آباد کے کنارے باقی ماندہ شراب مانگ رہا ہے' تاہم مولانا تھانوی اس شعر

کے بھی کچھ اور یہ معانی بیان کرر ہے ہیں۔''اے مرشد شرابِ محبت یہاں عطا کر دیجئے اس طرح سے کہ اذکار و اشغال جو مورث محبت ہوں تعلیم فرما دیجئے کیونکہ جنت میں پھر ریاضت اور مشقت جن پر مدار ترقی مراتب سے میسر نہ ہوگا (۴۴)۔ اس سے متصل شعر جس میں ''لولیاں'' ''شوخ شریں کار'' کی تراکیب قابل توجہ ہیں کی شرح بھی اسی اسلوب پر کی ہے (۴۵)۔ دیوان حافظ سے چند اور شعر پیش خدمت ہیں:

درد مارا نیست درماں الغیاث
ہجر مارا نیست پایاں الغیاث
دین و دل بردند و قصدِ جان کنند
الغیاث از جورخوباں الغیاث
دربہائے بوسہء جانے طلب
می کنند ایں دلستاناں الغیاث (۴۶)

''ہمارے درد کا علاج نہیں ہے' فریاد ہے' ہمارے ہجر کی انتہا نہیں ہے ہے فریاد ہے' دین اور دل کو لے گئے اور جان کا ارادہ کرر ہے ہیں' فریاد ہے حسینوں کے ظلم سے فریاد ہے۔ ایک بوسہ کی قیمت میں جان طلب کرتے ہیں یہ دل چھین لینے والے کی فریاد ہے''

ان اشعار کو اگر مجازی محبوب پر بھی منطبق کہا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن مولانا تھانوی ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کی تشریح بھی متصوفانہ اسلوب پر ہی کرتے ہیں۔

''شعر اول میں حالتِ قبض کا معلوم ہونا ہے' شعر ثانی میں بھی اسی سے تنگدلی کا اظہار ہے کہ اس میں جان جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور جور کے معانی لغوی مراد نہیں کہ ترک عدل ہے بلکہ محض قہر کے ہیں اور خوباں کی جمعیت جنسیت کے لئے اور دین سے مراد زہد ہے اور شعر ثالث میں بوسہ سے تجلی مشروط بننا ہے۔ (۴۷)

شربتے ازلب لعلش نچشیدیم و برفت
روئے مہ پیکر اُو سیر ندیدیم و برفت
گوئی از صحبت ما نیک بہ تنگ آمدہ بود
بار بربست و بگروش نہ رسیدیم و برفت (۴۸)

یعنی ''اس کے لعل جیسے ہونٹ سے میں شربت چکھا اور وہ چلا گیا' اس کے چاند جیسے جسم والے چہرے کو جی بھر کے نہ دیکھا اور وہ چلا گیا۔ گویا ہماری صحبت سے سخت تنگ آ گیا تھا' اس نے سامان باندھا اور ہم اس کے قریب بھی نہ پہنچے اور وہ چلا گیا۔''

اس غزل کے دس اشعار ہیں مولانا نے نو اشعار نقل کر کے فارسی زبان میں مختصر مگر جامع تفسیر کی ہے جس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ "یہ غزل حافظ شیرازی نے مجازی محبوب کے لئے نہیں لکھی بلکہ اپنے مرشد کی جدائی میں لکھی ہے (۴۹)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ان تاویلات کے مطابق حافظ کی شراب معرفت کی شراب ہے اور ان کا عشق، عشق حقیقی کے سوا کچھ اور نہیں ہے، لیکن دیوان حافظ میں کچھ ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن کی کوئی تاویل کرنا از حد مشکل مرحلہ ہے مثلاً یہ رباعیاں ملاحظہ فرمائیں:

چوں جامہ زتن برکشد آں مشکیں خال
حقا کہ نظیر خود ندارد بمثال
در سینہ دلش زنازکی بتواں دید
مانندۂ سنگریزہ در آبِ زلال (۵۰)

"جب وہ مشکین تل والا بدن سے کپڑے اتارتا ہے یقیناً وہ اپنے جیسی کوئی مثال نہیں رکھتا نزاکت کی وجہ سے سینہ میں اس کا دل دیکھا جا سکتا ہے، جیسے کہ نہر پانی میں پتھر کا ٹکڑا" اسی طرح یہ رباعی دیکھیں۔

زاں بادہ دیرینہ کہ دھقاں پر ورد
دردہ کہ بساط غم طے خواہم کرد
مستم کن و بیخبر ز احوال جہاں
تا سر جہاں بگویمت اے سرہ مرد (۵۱)

"وہ پرانی شراب جو دہقان نے کھینچی ہے، دے تا کہ غم کی بساط لپیٹ دوں۔ مجھے مست اور دنیا کے احوال سے بے خبر بنا دے تا کہ اے عقل مند انسان میں تجھ سے دنیا کا راز کہوں"

اور یہ رباعی جو شاید حافظ کی جوانی کی یاد دلائی ہے یہاں ہر شے خراب ہی خراب ہے۔

ایام شباب ست شراب اولی تر
ہر غمزدۂ مست و خراب اولی تر (۵۲)

"جوانی کا زمانہ ہے شراب زیادہ بہتر ہے، ہر غم زدہ کا مست اور خراب ہونا زیادہ بہتر ہے۔ عالم تمام خراب ہی خراب ہے، خراب جگہ میں خراب رہنا یہ زیادہ بہتر ہے۔"

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حافظ کے ان اشعار کی کیا تاویل کی جائے گی تو ضروری نہیں کہ ہر شعر کی تاویل ہی کی جائے۔ خود مولانا تھانوی بھی ایسے اشعار کی تاویل نہیں کرتے جن میں مجازیت کے واضح اشارے موجود ہوں۔

دل من در ہوائے روئے فرخ
شدہ آشفتہ ہمچو موئے فرخ
بدہ ساقی شراب ارغوانی
بیاد نرگسِ جادوئے فرخ(۵۳)

''فرخ کے چہرے کی محبت میں میرا دل فرح کی بالوں کی طرح پریشان ہے۔اے ساقی سرخ شراب پلا' فرخ کی جادو کی آنکھ کی یاد میں''

مولانا فرماتے ہیں کہ ''اس غزل کو ابتدائی زمانہ یعنی قبل حصول عشق حقیقی پر محمول کیا جائے اور اگر فرخ سے مراد مطلق محبوب ہو جیسا محاورات میں لیلیٰ ، سلمیٰ اور شیرین اور عذرا وغیرہ سے مطلق محبوب مراد ہوتا ہے تو اس کی تاویل کی ضرورت نہیں (۵۴)۔

ذیل میں دیوان حافظ سے ایک ایسا شعر پیش خدمت ہے جس کو اقبال نے منشی محمد فوق کی کتاب ''وجدانی نشتر'' سے اپنے ایک مضمون ''اسرارِ خودی اور تصوف'' میں نقل کیا ہے' اور اس شعر پر تبصرہ بھی فرمایا ہے۔شعر ملاحظہ فرمائیے:

درکوئے نیک نامی مارا گزر ندادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا(۵۵)

''نیک نامی کی توجہ میں انہوں نے ہمیں گزرنے کا موقع نہ دیا' ے گر تو پسند نہیں کرتا تو تقدیر کو بدل دے''

اس شعر کے پس منظر میں علامہ' فوق کی مذکورہ کتاب سے اقتباس نقل کرتے ہیں۔

''اورنگ زیب عالمگیرؒ نے جو بڑا متشرع بادشاہ تھا' یک مرتبہ حکم دیا کہ اتنی میعاد کے اندر جتنی طوائفیں ہیں نکاح کرلیں ورنہ میں کشتی میں بھر کر سب کو دریا برد کر دوں گا۔سینکڑوں نکاح ہوگئے مگر پھر بھی ایک بڑی تعداد رہ گئی۔چنانچہ ان کو ڈبونے کیلئے کشتیاں تیار ہوئیں۔صرف ایک دن باقی رہ گیا۔یہ زمانہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا تھا۔ایک حسین نوجوان طوائف روزمرہ آپ کے سلام کو آیا کرتی تھی۔جب آپ نظر اٹھاتے وہ سلام کرکے چلی جاتی۔آج جو وہ آئی تو بعد سلام عرض رساں ہوئی کہ آج خادمہ کا آخری سلام بھی قبول ہو۔آپ نے حقیقت حال دریافت فرمائی۔جب تمام کیفیت بیان کردی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم سب حافظ کا یہ شعر (مذکورہ بالا) یاد کرلو اور کل جب تمہیں دریا کی طرف لے چلیں تو بآواز بلند اس شعر کو پڑھتے جاؤ۔ان سب طوائفوں نے اس کو یاد کرلیا جب روانہ ہوئیں تو یاس کی حالت میں نہایت خوش الحانی سے بڑے دردانگیز لہجے میں اس شعر کو پڑھنا شروع کر دیا۔جس جس نے یہ شعر سنا دل تھام کر رہ گیا۔جب بادشاہ کے کان میں آواز پہنچی تو بے قرار ہوگیا۔ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوئی۔حکم دیا کہ سب کو چھوڑ دو (۵۶)''

اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد علامہ محمد اقبال نے جو تنقید کی ہے اسے علامہ کا موقف تسلیم کیا جانا چاہیے۔

علامہ فرماتے ہیں:

''منشی محمد دین فوق کو معلوم ہو کہ جوان کے نزدیک حافظ کا حسن ہے وہ میرے نقطہ نظر سے اس کا قبح ہے اور وہ یہ کہ مسئلہ تقدیر کی ایک ایسی غلط مگر دلاویز تعبیر سے حافظ کی شاعرانہ جادوگری نے ایک متشرع اور نیک نیت بادشاہ کو جو آئین حقہ شرعیہ اسلامیہ کی حکومت قائم کرنے اور زانیات کا خاتمہ کر کے اسلامی سوسائٹی کے دامن کو اس بدنما داغ سے پاک کرنے میں کوشاں تھا قلبی اعتبار سے اس قدر ناتواں کر دیا کہ اسے قوانین اسلامیہ کی تعمیل کرانے کی ہمت ہی نہ رہی (۵۷)۔

یہاں علامہ نے حافظ کے عقیدہ تقدیر پر جرح کی ہے کہ انہوں نے مسئلہ تقدیر کی غلط اور حیات کش تعبیر کی ہے جس سے حافظ کے بارے میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا حافظ ''جبر'' کا قائل ہے۔ مناسب ہوگا کہ اس بحث کو نظر میں رکھتے ہوئے محمولہ بالا شعر کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے بھی معلوم کر لی جائے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس شعر میں جبر کا شائبہ تک نہیں ہے۔

''اس شعر میں اس شخص کی تعلیم ہے کہ قضاالٰہی جو ہماری تربیت باطنی کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اس میں ہمارے لئے بدنامی کے افعال مقدر ہیں گو بد دینی کے ہیں۔ پس اے معترض! اگر تو اس کو پسند نہیں کرتا تو اس قضا کو مبدل کر دے جس سے تو محض عاجز ہے۔ جب عاجز ہے تو اعتراض ترک کر دے۔ پس اس شعر میں جبر کا ہرگز شائبہ نہیں کیونکہ قضا سے مراد ہر قضا نہیں ہے (۵۸)۔

یہ بات تو طے کہ اقبال جبر کے قائل نہیں ہیں دوسری طرف مولانا تھانوی بھی جبر کی بجائے اختیار کے قائل ہیں بلکہ انہیں تو حافظ میں بھی جبر کی بجائے اختیار کا پہلو نظر آتا ہے۔ مولانا تھانوی کے اس خیال کی تائید اس شعر سے بھی ہوتی ہے۔

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ
تو در طریق ادب کوش و گو گناہ من است (۵۹)

''اے حافظ اگر یہ گناہ ہمارے اختیار میں نہ تھا تو ادب اختیار کر اور کہہ دے کہ خطا میری ہے''

حافظ کے اس شعر کے مطابق گناہ کی قدرت دینے والا بھی ان کے نزدیک خود خدا ہی ہے گویا وہ پھر فعل و عمل کو وابستہ تقدیر سمجھتے ہیں (۶۰)۔

بظاہر اس شعر میں بھی جبر کا اثبات اور اختیار کی نفی نظر آتی ہے لیکن مولانا تھانوی اس شعر کی تشریح کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ حافظ پر عقیدہ جبر ساقط ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

''اس میں اعتقاد جبر کا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ افعال عباد میں گو مرتبہ تحقیق میں دونوں نسبتیں ہیں باعتبار خلقیت کے حق تعالیٰ کے ساتھ اور باعتبار کسب کے عبد کے ساتھ مگر بلا ضرورت تم نسبت اول کا ذکر مت کرو۔ صرف نسبت ثانیہ کے ذکر پر اکتفا کرو کہ مقتضائے ادب یہی ہے ''بس نبود اختیار ما'' سے مراد نفی موثریۃ تامہ اختیار کی ہے نہ کہ نفی

نفس اختیار کی (۱-۶۰)۔

جہاں و کار جہاں جملہ ہیچ در ہیچ است
ہزار بار من این نکتہ کردہ ام تحقیق (۶۱)

''دنیا اور دنیا کے سب کام ہیچ در ہیچ ہیں میں نے ہزار بار اس نکتہ کی تحقیق کر لی ہے''

علامہ اقبال نے اس شعر کے حوالہ سے بھی حافظ پر تنقید کی ہے اور اس قسم کے نصب العین کو جو رہبانیت ہی یاد دلاتا ہے۔قوموں کی زندگی کے لئے مضر قرار دیا ہے۔ (۶۲) یہاں یہ بات قابل بیان ہے کہ حافظ کے یہاں زندگی اور مقصد زندگی کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ یہ شعر قابل غور ہے۔

بہل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد حافظ
بکوش وحاصل عمر عزیز را دریاب (۶۳)

''یعنی اے حافظ! نہ چھوڑ کہ عمر بیکار گزرے کوشش کر اور پیاری زندگی کا مقصد پالے''

اسی طرح اور بہت سے اشعار ہیں جن کو دیکھ کر یقین آنے لگتا ہے کہ'' حافظ زندگی اور امید کا شاعر ہے (۶۰)۔
حافظ کے ان اشعار میں بظاہر تضاد کی صورت نظر آتی ہے لیکن مولانا تھانوی کی تشریحات کو دیکھا جائے تو یہ صورتحال پیدا نہیں ہوتی' مولانا نے دیوان حافظ کے ایک خمس کی شرح پر اکتفا کیا ہے اور یہ شعر (جہاں کار) نصف دیوان کے بعد کا ہے لیکن مولانا کے اسلوب سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس شعر کو عدم حب دنیا پر محمول کریں گے کہ آپ کے نزدیک تو پورا دیوان حافظ سراسر حقیقت عرفان ہے (۶۵)۔تو رہبانیت تو بعید کی چیز ہے۔

قصہ مختصر کرتے ہیں اور وہ یوں کہ اگر حافظ کا سارا فلسفہ پیش نظر رکھا جائے تو حافظ پر مےنوشی' عیش کوشی اور عقیدہ جبر وتسلیم ورضا کی وہی تاویل بھلی معلوم ہوتی ہے جو مولانا اشرف علی تھانوی کرتے ہیں' پھر انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رمزیہ پیرایہ بیان کا حق جو صوفی شاعروں بلکہ سبھی شاعروں کو دیا جاتا ہے۔اس سے خواجہ حافظ کو خاص طور پر محروم نہ رکھا جائے (۶۶)۔یہ اس لئے بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر حافظ کے مے و مینا کو تصوف کے رموز کے تہ بہ تہ پردوں میں چھپا نہ لیا جائے تو ان کی شاعری میں مے خواری اور عشق بتاں کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا (۶۷) اور کم از کم اقبال سے یہ نہ ہو سکا۔ دراصل علامہ اقبال کسی بھی فلسفہ کو عوامی طرز عمل کے آئینہ میں دیکھتے ہیں کہ عام آدمی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ دیوان حافظ میں جابجا شراب وشباب' رندی و مستی کا ذکر ملتا ہے اور کہیں کہیں ایسے واضح اشارے بھی ملتے ہیں جن کو عشق حقیقی پر محمول کرنا ایک امر محال ثابت ہوتا ہے۔لیکن یہ مولانا تھانوی ہیں جو اپنے مخصوص مشرب کے پیش نظر آسان اور عوام فہم تشریح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔لہذا حافظ کے بارے میں کسی ممکنہ غلط فہمی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ جو صاحب دیوانِ حافظ کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ عرفان حافظ کا مطالعہ بھی ضرور کریں۔ کہ حافظ خواص کی چیز ہے عوام کی نہیں۔

بہر حال یہ بات بہت خاص ہے کہ ''عرفان حافظ'' کی معرفت عوام و خواص حافظ سے مستفید و لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

حواشی و تعلیقات

۱۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، عرفان حافظ، مشمولہ ''التکشف عن مہات التصوف'' سجاد پبلشرز، بیشہ اخبار، لاہور، ۱۹۶۰ء ص ۱۳۹

۲۔ اقبال، علامہ محمد، مثنوی اسرارِ خودی، یونین سٹیم پریس، لاہور، طبع اول ۱۹۱۵، افلاطون یونانی و حافظ شیرازی ''ص ۶۲

۳۔ البتہ ہجا شعر کے مصرعہ ''راہب اول افلاطون حکم'' میں اول کو ''راہب دیرینہ'' سے بدل دیا ہے اور افلاطون کے ساتھ ''الف'' کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔

۴۔ ملاحظہ ہو، اسرار خودی، طبع اول ۱۹۱۵ء ص ۶۶، ۶۸، ۶۹ اور ۷۲

۵۔ علامہ اقبال کی غیر مطبوعہ کتاب جو ۱۹۱۶ میں لکھی گئی اور ایک طویل عرصہ تک گوشہ گمنامی میں پڑی رہی مارچ ۱۹۸۵ میں شائع ہوئی۔

۶۔ دیکھیے مکتوب اقبال بنام سراج الدین پال، مشمولہ کلیات مکاتیب اقبال، اردو اکادمی، دہلی اشاعت چہارم ۱۹۹۳، جلد اول ص ۵۲۲ تا ۵۲۴

۷۔ مکتوب اقبال، بنام خواجہ حسن نظامی، کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول، ص ۴۵۴

۸۔ نصر اللہ جوادی ''حافظ کی رندی'' (مضمون) مشمولہ ''اقبالیات'' اقبال اکادمی لاہور، جلد ۳۲، شمارہ ۲، جولائی ۱۹۹۱، ص ۵۲، ۵۴، ۵۸

۹۔ مکتوب اقبال بنام مہاراجہ کشن پرشاد، کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول، ص ۴۹۲

۱۰۔ مثنوی اسرارِ خودی کے خلاف شدہ ۳۵ اشعار جو اشاعت اول ۱۹۱۵ کے صفحات ۶۶ سے ۷۲ پر موجود ہیں۔

۱۱۔ مکتوب اقبال بنام اکبر الہ آبادی، کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول، ص ۴۴۷

۱۲۔ مکتوب اقبال بنام سید فصیح اللہ کاظمی، کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول ص ۵۱۸

۱۳۔ مکتوب اقبال بنام سراج الدین پال، کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول ص ۵۱۳

۱۴۔ علامہ محمد اقبال کا مضمون ''اسرارِ خودی اور تصوف'' مشمولہ 'مقالات اقبال' 'مرتبہ' سید عبدالواحد، محمد عبداللہ قریشی، آئینہ ادب لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۸۸ء ص ۲۱۰۔

۱۵۔ ایضاً ص ۲۰۷

۱۶۔ ایضاً ص ۲۰۹۔۲۱۰

۱۷۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، مسائل اقبال، مغربی پاکستان اردو اکیڈیمی، لاہور، طبع اول مئی ۱۹۷۴ء ص ۴۴۔

۱۸۔ مسائل اقبال ص ۵۶

۱۹۔ مکتوب اقبال بنام اسلم جیراج پوری، کلیات مکاتیب اقبال، اردو اکادمی، لاہور، جلد دوم ص ۹۷

۲۰۔ دیباچہ پیام مشرق، مشمولہ 'مقالات اقبال' ص ۲۴۴

۲۱۔ مسائل اقبال، ص ۵۵

۲۲۔ دیکھیے ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء کا مضمون 'بالِ جبریل کی غزلوں میں حافظ کے اثرات' مطبوعہ ''اقبالیات'' (اردو فارسی) شمارہ جولائی ستمبر ۹۷

۲۳۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، ''مقدمہ عرفان حافظ'' مشمولہ ''التکشف عن مہما تالتصوف'' ص ۱۹۳

۲۴۔ ''اسرار خودی اور تصوف'' (مضمون از علامہ اقبال) مقالات اقبال، ص ۲۰۵

۲۵۔ مکتوب اقبال بنام مہاراجہ کشن پرشاد، کلیات مکاتیبِ اقبال، جلد اول، ص ۴۸۴

۲۶۔ مکتوب اقبال بنام مہاراجہ کشن پرشاد' کلیات مکاتیب اقبال' جلد اول' ص ۴۸۴

۲۷۔ ملاحظہ ہوں تصوف پر اقبال کے مضامین' اسرارِ خودی اور تصوف' سر اسرارِ خودی وغیرہ

۲۸۔ ''عرفان حافظ' الکشف عن مہات التصوف' ص ۴۶۴

۲۹۔ شبلی' مولانا ''شعر العجم'' عشرت پبلشنگ ہاؤس' لاہور' سن ندارد' حصہ دوم' ص ۱۵۷

۳۰۔ دیوان حافظ' مقبول اکیڈیمی' لاہور' سن ندارد' ص ۲۹

۳۱۔ ''عرفان حافظ' الکشف عن مہات التصور' ص ۱۹۴

۳۲۔ دیوان حافظ' ص ۳۵

۳۳۔ عرفان حافظ' ص ۲۴۹

۳۴۔ دیوان حافظ' ص ۷۵۔ ۸۶

۳۵۔ عرفان حافظ' ص ۲۶۶

۳۶۔ عرفان حافظ' ص ۳۸۸

۳۷۔ دیوان حافظ' ص ۸۶

۳۸۔ عرفان حافظ' ص ۴۲۰۔۴۲۱

۳۹۔ دیوان حافظ' ص ۳۰

۴۰۔ عرفان حافظ' ص ۲۲۴

۴۱۔ دیوان حافظ' ص ۳۰

۴۲۔ شعر العجم' جلد دوم' ص ۱۴۶

۴۳۔ مقدمہ دیوان حافظ' ص ۱۷

۴۴۔ عرفان حافظ' ص ۲۲۵

۴۵۔ عرفان حافظ' ص ۲۲۵

۴۶۔ دیوان حافظ' ص ۱۰۶

۴۷۔ عرفان حافظ' ص ۴۵۸

۴۸۔ دیوان حافظ' ص ۸۸

۴۹۔ عرفان حافظ' ص ۴۲۱

۵۰۔ دیوان حافظ' ص ۲۳۵

۵۱۔ دیوان حافظ' ص ۲۳۴

۵۲۔ دیوان حافظ' ص ۲۳۵

۵۳۔ دیوان حافظ' ص ۱۱۰

۵۴۔ عرفان حافظ' ص ۴۶۴

۵۵۔ دیوان حافظ' ص ۳۳

۵۶۔ مقالات اقبال' ص ۲۱۰

۵۸۔ عرفان حافظ' ص ۲۱۳

۵۹۔ دیوان حافظ' ص ۹۹

۶۰۔ مسائل اقبال' ص ۵۲

۱۔۶۰۔ عرفان حافظ' ص ۳۰۶

۶۱۔ دیوان حافظ' ص ۲۷۳

۶۲۔ تاریخ تصوف' ص ۳۰

۶۳۔ دیوان حافظ' ص ۴۳

۶۴۔ مسائل اقبال' ص ۵۵

۶۵۔ تھانوی' مولانا اشرف علی' ارفیق فی سوا الطریق

۶۶۔ مسائل اقبال' ص ۶۵

۶۷۔ مسائل اقبال' ص ۴۷

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط وترتیب: حافظ محمد سلمان الحق انوار

دعوت وتبلیغ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فضیلت اہمیت اور تقاضے

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الكريم فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمان الرحيم۔ كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر (الاية)

ترجمہ: تم (اے امت محمد) بہترین امت ہو جو پیدا کی گئی لوگوں کی اصلاح کے لئے۔ تم لوگ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے اور اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو۔

عن ابی سعيد الخدری عن رسول الله صلعم قال من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فقلبه وذالك اضعف الايمان۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدریؓ حضورؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں جو کوئی کسی کا شریعت کے خلاف امر دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کی برائی کو ہاتھ سے روک دے اور اگر وہ ہاتھ یعنی طاقت سے روک دینے پر قادر نہ ہو تو زبان کے ذریعے روک دے اگر اس کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو پھر کم از کم دل کے ذریعہ تو اس کو برا جانے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

تمہید:

آج میں نے آپ کی توجہ مسلمانوں کے ایک اہم فریضہ جسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام سے پکارا جاتا ہے کی طرف مبذول کرنے کے لئے سورۃ ال عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ تلاوت کر کے اس کی وضاحت کے لئے حضورؐ کا ایک فرمان بھی بیان کردیا۔ اس موضوع پر آپ کئی بار بندہ اور کئی واعظین اور خطباء سے سیر حاصل گفتگو سن چکے ہیں مگر یہ اتنا اہم ضروری اور قابل توجہ عنوان ہے جس پر جس قدر بولا جائے کم ہے۔

معیار فضیلت: ہر مسلمان عالم طفولیت ہی سے یہ تصور لے کر جوانی اور بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے کہ حضورؐ کے

امتی گزشتہ تمام امتوں سے بہترین امتی ہیں، کبھی یہ سوچا ہے کہ وہ کیا خصوصیت ہے کیا امتیازی شان ہے جس کی وجہ سے ہم کو تمام امم سے بہتر امت گردانا گیا، ہم شکل وصورت میں گزری ہوئی امتوں سے زیادہ حسین وجمیل ہیں یا ہمارے اعمال و عبادات ان سے زیادہ ہیں یا عمر و دولت میں ہم ان سے سبقت حاصل کریں گے۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ بالا اوصاف معیارِ فضیلت و خیریت ہوتے تو ان میں کئی اوصاف مذکورہ بدرجہ اتم موجود تھے پھر بھی ان کے مقابلہ میں امتِ محمدی کو ہی خیر الامم قرار دیا۔ وہ خاص وصف اور عمل جو اس امت کا طرہ امتیاز ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ یہ تب اس منصب پر فائز ہوں گے کہ وہ اپنے اندر دوسروں کے لئے خیر اور بھلائی پہنچانے کے جذبہ سے معمور اور اس پر شدت سے عمل کرنے والے ہوں۔ ان میں سے ہر فرد خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو غلام، مالدار ہو یا غریب، خوبصورت ہو یا بدصورت، حاکم ہو یا محکوم پر فرض ہے کہ دوسروں کے لئے خیر اور نفع پہنچانے کی غرض سے نیکیوں پر عمل کرنے کی تلقین اور گناہوں سے بچنے کی ترغیب دیتا رہے۔ تو گویا جب تک اس امت کے لوگ اس وصف کو جس کی وجہ سے ان کو یہ امتیازی مقام دیا گیا اپناتے رہیں گے خیر الامم کے مصداق رہیں گے اور اس وصف سے انحراف کرنے کی صورت میں گناہوں میں مبتلا لوگوں کے ساتھ ساتھ خود بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

اسلام اور ایمان کا دعویدار ہو کر نیکی کی ترغیب اور بدی سے بچنے کی تلقین نہ کرنے والا خیر امت تو دور کی بات ہے عذاب خداوندی کا سزاوار ہوگا، اللہ کے ہاں محبوب و مطلوب وہ دین و ایمان ہے جو ان دونوں دعوتوں کے ساتھ ہوں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک پر وعیدات:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: عن حذیفة ان النبی صلعم قال و الذی نفسی بیده لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر اولیو شکن الله ان یبعث علیکم عذابا من عنده ثم لتدعنه و لا یستجاب لکم (رواۃ الترمذی)

ترجمہ: حضرت حذیفہ ؓ حضور ؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے تمہیں یقیناً معروفات کی تلقین اور لوگوں کو منکرات سے روکنا ہوگا یا (اگر تم لوگوں نے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو) عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر ایسا عذاب نازل فرمادے گا کہ تم اللہ کے حضور دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔

ایک اور مقام پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے حضور سے ایک طویل روایت بیان کرتے ہوئے آپ نے امت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی المنکر کو چھوڑ دیا تو یقیناً اللہ تم پر اس طرح لعنت بھیجے گا جس طرح اس نے یہود کے اوپر لعنت نازل کی بنی اسرائیل کے اس جرم کی پاداش میں ملنے والی سزا کو حق تعالیٰ نے سورۃ مائدہ میں صراحت سے بیان فرمایا۔

بنی اسرائیل موجب لعنت ٹھہرے: ارشاد ربانی ہے:

لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی بن مریم ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون کانوا الایتنا ھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون۔

ترجمہ: بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤداور حضرت عیسیٰ کی زبان پر لعنت بھیجی گئی وجہ یہ تھی کہ وہ نافرمانیوں کا ارتکاب کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ایک دوسرے کو بدی کے کاموں سے منع نہ کرتے تھے۔بہت برا تھا وہ کام جس کو وہ کرتے تھے۔

وہ قوم بنواسرائیل جسے اللہ نے بے پناہ نعمتوں سے نوازا سینکڑوں پیغمبرانہی میں سے مبعوث ہوئے۔علماء ان میں لاتعداد بادشاہت حکمرانی اور دولت سے مالا مال رہے و فضلنا ھم علی العالمین ارشاد حق تعالیٰ کے مطابق اپنے دور اور زمانہ کے اقوام پر فضیلت اور فوقیت عطا کر گئی۔

مغضوب علیہم:

انعامات واحسانات کی کثرت کے باوجود جب دولت وثروت کے غرور میں مبتلا ہو کر احکام ربانی سے روگردانی شروع کی اپنے مذہب کے قوانین کو توڑ کر اس کا مذاق اڑانے لگ گئے سب سے بڑا فرد جرم جسے قرآنی الفاظ میں "کانوا الاتینا ھول عن منکر" کے ذریعہ عائد کیا گیا کہ اپنے مجلسوں اعزہ واقارب پڑوس اور اپنے اہل واعیال میں شر وفساد قتل وقتال زناوحرام کاری جیسے جرائم اور معاصی دیکھتے تھے گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کو منع کرنا تو در کی بات خود بھی ان گناہوں میں شامل ہو جاتے۔یہی وہ جرم تھا جس کے ردعمل کے طور پر احکم الحاکمین نے اس معزز قوم کو فضیلت وعزت کی بلندی سے اپنے انبیاء کے ذریعہ ان پر نازل شدہ کتب سماوی میں ملعون ومقہور ٹھہرا کر ذلت اور مغضوب علیہم کے اندھیروں میں پھینک دیا۔

مسلمانوں کے انحطاط کی وجہ یہی اہم فریضہ جوکہ تبلیغ دین ہے کو ترک کرنا ہی ہے اپنے بدن سے معاصی کا صدور ہو رہا ہے اپنے گھر اور اہل خانہ اور اولاد کو گناہوں میں مبتلا دیکھ کر چشم پوشی کا معاملہ برتا جارہا ہے گویا یہ عقیدہ کہ ہم کو موت کے بعد ہر عمل کا جواب دینا ہوگا بھلا دیا گیا حالانکہ محسن انسانیت صلعم جوکہ ہمارے آئیڈیل ہونے چاہئیں اور ان کے قول وفعل پر عمل کر کے ہی ہم ایک بار پھر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا مقام عزت وعظمت حاصل کر سکتے ہیں نے قدم قدم پر ہمیں راعیٔ حق بننے کی تلقین کی ہے۔

حضور کی دعوت کا خلاصہ:

اور خود بھی وداعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا کا مکمل پیکر بن کر تمام زندگی اسی فریضہ کی ادائیگی میں گزار دی۔آپ کی دعوت کا خلاصہ اور لب لباب مخاطبین کو زندگی کے مقصد اور حقیقت سے خبردار کرنا اور اس زندگی کے

خاتمہ پر اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہی تھا' جب روحِ اقدس قفس عنصری سے پرواز کرنے کا وقت آیا اس وقت بھی امت کو داعی الی اللہ کے فریضہ پر قائم ودائم رکھنے کے لئے خود بھی صلوۃ و ما ملکت ایمانکم کی ترغیب فرما کر اسی دعوت وتبلیغ کی حالت میں دنیا سے پردہ فرما گئے۔

مبلغ کا فریضہ: یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے' کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر موثر اس صورت میں ہے کہ تبلیغ کرنے والا پہلے خود صالح بن کر دوسروں کو نیکی کی راہ دکھلائے' اپنے اکابر اور سلف صالحین کے واقعات اور حالات آپ وقتاً فوقتاً سنتے رہتے ہیں' کہ ایک ایک صالح و باعمل بزرگ کے دل سے نکلے ہوئے ایک جملہ اور وعظ سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سامعین اور مخاطبین کے دلوں کا نقشہ پلٹ کر ہر سامع اپنی جگہ ایک باکردار اور دیندار مصلح بن جاتا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ داعی الی اللہ دوسروں کو دعوت دینے سے قبل اصلاح کی ابتداء خود اپنے نفس ہی سے کرتے۔ آج ہم جیسے واعظ بڑے اجتماعات کو قرآن وحدیث اور صلحا' کے اقوال واحوال سنا کر صرف لفاظی کے حد تک متاثر اور مسحور تو کروا سکتے ہیں مگر روحانی انقلاب اور اذہان کو احکام الٰہی کی طرف حقیقی طور پر راغب نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم اصلاح کے عمل کا آغاز اپنے آپ سے نہیں کرتے' پہلے اپنا احتساب کر کے ہی دوسرے کو راہ راست پر لایا جا سکتا ہے۔ بھلائی اور نیکی کی باتوں کو جاننا بذات خود ایک بہترین عمل ہے اور پھر دوسروں تک پہونچانا گویا اس بہترین عمل کو مزید نکھارنا ہے' یہ دونوں کام اخروی نجات کا وسیلہ تب بن جائیں گے جب ان پر خود بھی عمل کیا جائے' ورنہ خود عمل نہ کرنے کی صورت میں ثواب تو دور کی بات ہے آخروی تباہی ہی تباہی ہے۔

بے عملوں کا بدترین انجام:

ایسے بے عمل شخص کے بدترین انجام اور سزا کا ذکر حضور اکرم ﷺ نے ایک موقع پر بیان فرمایا:

عن اسامه بن زيد قال قال رسول الله ﷺ يجاء بالرجل يوم القيامة فيلقى في النار فتندلق اقتابه في النار فيطحن فيها كطحن الحمار برحاه فيجتمع اهل النار عليه فيقولون فلان ماشانك اليس كنت تامرنا بالمعروف وتنهانا عن المنكر قال كنت آمركم بالمعروف ولا آتيه وانهاكم عن المنكر وآتيه (رواہ بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت اسامہ آنحضرتؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو پیش کیا جائے گا جس کو آگ میں پھینک دیا جائے گا آگ میں گرتے ہی اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی وہ انتڑیوں کو اس طرح گھمائے گا جس طرح گدھا چکی کے ذریعہ آٹے پیسنے کے لئے گھومتا ہے (یعنی اپنی ہی انتڑیوں کو اپنے پاؤں کے نیچے روندتا رہے گا) اس شخص کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے دور کا واقف شناسا فساق وفجار گرد اگرد جمع ہو کر اسے کہیں گے اے فلاں تم تو دنیا میں ہمیں نیکیوں کی تعلیم دے کر گناہوں سے بچنے کی تلقین کرتے (پھر تمہارا یہ حال کیونکر ہے) یہ شخص ان دوزخیوں کے

سوال کے جواب میں کہے گا کہ ہاں تم لوگوں کی بات صحیح ہے میں تم کو نیکیوں پر عمل کرنے کی تعلیم تو دیتا رہا مگر خود ان پر عمل سے عاری رہا اور گناہوں سے تم کو منع کرتا مگر اپنے آپ کو گناہوں میں مصروف رکھتا۔

اس حدیث کو سن کر آپ کو بے عمل واعظ و ناصح کے انجام کا اندازہ ہوا ہوگا' قول و فعل کے اس تضاد کو ختم کرنے کے لئے قرآن کئی مقامات پر زور دے کر اصلاح کی طرف ہماری توجہ دلا رہا ہے کہیں!

اتا مرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔

ترجمہ: کیا تم لوگوں کو تو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپکو بھلا دیا ہے حالانکہ تم قرآن مجید پڑھتے ہو کیا تم نہیں سمجھتے تو کہیں! یا ایھا الذین امنو الم تقولون مالا تفعلون۔

ترجمہ: اے ایمان والوں تم ایسی بات کیوں کرتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

ان آیات کے ذریعہ گویا اعلان کیا جا رہا ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ خود بھی نیکیوں پر عمل کر کے اعمال صالحہ کا مجسم بن جائے اور لوگوں کو بھی عمل صالح پر چلنے کی تبلیغ کرتا رہے۔

مومنین کا امتیازی وصف:

مومن اور مومنہ کے اس خصوصی وصف کو اللہ جل جلالہ نے ان کلمات میں ذکر فرما کر کامل مسلمان مرد اور عورت کی تعین فرمادی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و المومنون و المومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و یقیمون الصلوۃ و یوتون الزکوۃ و یطیعون اللہ و رسولہ اولئک سیرحمھم اللہ ان اللہ عزیز حکیم (سورۃ توبہ)

ترجمہ: مومن مرد اور عورت ایک دوسرے کے معاون اور دوست ہوتے ہیں' وہ لوگوں کو بھلائیوں کی تعلیم دیتے ہیں' اور گناہوں سے بچاتے ہیں۔ نماز کی پابندی اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور اللہ اور رسول کی تابعداری کرتے رہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ اپنی رحمت کو نازل فرماتے ہیں' تحقیق اللہ عزت دینے والا' غلبہ دینے والا حکیم ہے۔

اس فرمان الٰہی میں اللہ کے ان مقرب بندوں کی مدح بیان کی جارہی ہے' جو خود دین پر قائم و دائم رہ کر امر بالمعروف اور نہی المنکر کے ذریعہ سے اوروں کی ہدایت کا بھی ذریعہ بن جاتے ہیں۔

آیئے موازنہ کریں:

آیئے اس معیار پر ہم اپنا موازنہ کریں کہ ہم میں مومنین کی یہ صفت موجود ہے یا ہمارا دینی پہیہ بالکل الٹے طرف گھوم رہا ہے اپنے حالت پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دینی اعتبار سے ہم کامل مومن کی صفات سے بالکل عاری ہیں اوروں کو گناہوں سے منع کرنے اور نیکیوں کی تلقین کے بجائے ہمارا تعلق اور رشتہ ان لوگوں سے رہتا ہے جو

دین سے بالکل دور، آزاد خیال، روشن ضمیر اور گناہوں کے عادی ہوں اور جو لوگ دین کے پابند، متقی اور پرہیز گار ہوں ان کو ہم معاشرہ کا عضو معطل سمجھ کر اس کے ساتھ تعلق اور اٹھنا بیٹھنا ہی مناسب نہیں سمجھتے، حالانکہ مسلمان کی شان جو خطبہ کی ابتداء میں ابی سعید خدری کی روایت میں ذکر کی گئی کا خلاصہ یہ ہے، کہ اہل ایمان پر جو ذمہ داری عائد کی گئی اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ برائی اپنے گھر میں ہو قرابت داروں، دوستوں میں ہو اسے اگر استطاعت ہو، طاقت اور زور سے ختم کیا جائے، اگر یہ قوت نہ ہو برائی کا مرتکب طاقتور یا اور کوئی وجہ ہو تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس گناہ کے منع کرنے کا فریضہ زبان کے ذریعہ ادا کر کے دوسرے کو گناہ سے روکے اگر طاقت اور زبان کے ذریعہ سے معاصی سے منع کرنے کی طاقت نہ ہو تو تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے اس فریضہ کو سرانجام دے، یعنی دل سے اس مرتکب کے خلاف شرع کام کو برا جان کر قلب ہی میں اللہ کے لئے اس سے نفرت اور عداوت کے جذبات رکھے اس درجہ کو ایمان کا کمزور ترین درجہ قرار دیا گیا ہے، کہ یہ دور ایمان کے لئے کمزور ترین زمانہ ہے، اگر ہم نے ایمان کے اس کم از کم درجہ پر بھی عمل شروع کر دیا تو ممکن ہے گناہ گاروں کے ساتھ خلط ملط ہونے والوں اور ان کے بارہ میں سکوت و مداہنت کے مرتکب لوگوں کے لئے جو عذاب قرآن واحادیث میں ذکر ہے، اس سے ہم بچ جائیں مگر ہماری بدقسمتی کا یہ حال کہ نہ اپنے آپ کو بدلنے کی طرف توجہ اور نہ دوسرے کی اصلاح کی فکر اس کی سب سے بڑی وجہ یہ کہ ہم نے گناہ کو گناہ سمجھنا ہی چھوڑ دیا ہے دوسرے کی برائی کا احساس اور نفرت کا تصور تب ہو گا جب ہم خود گناہ کو اپنے لئے تباہی و بربادی کا ذریعہ سمجھیں۔ گناہ کو گناہ سمجھنے کی حضورؐ نے بار بار تلقین فرمائی ختم الرسل کا ارشاد ہے:

عن العرس بن عمیرہ عن النبی ﷺ قال اذا عملت الخطیئۃ فی الارض من شھدھا فکرھھا کان کمن غاب عنھا و من غاب عنھا فرضیھا کان کمن شھدھا (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عرس بن عمیرہ حضورؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب برائی روئے زمین پر کی جائے جو شخص اس گناہ کو برا جانے وہ اس شخص کی طرح ہے جو وہاں موجود ہی نہیں اور جو شخص وہاں موجود نہ ہو (یعنی گناہ کے مقام سے دور ہو) اور اس گناہ کو برا نہ جانے وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو مقام گناہ میں موجود ہو۔

ارشاد گرامی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر حالت میں گناہ کو گناہ سمجھنا چاہیے اگر ایک آدمی گناہ جہاں ہو رہا ہو اسی جگہ موجود رہ کر اس گناہ کو روکنے کی کوشش کرے یا کم از کم دل میں نفرت و ناپسندیدگی پیدا کر کے گناہ سے منع نہ ہونے والے سے قطع تعلق کرے تو یہ اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو گناہ کرنے کی جگہ سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل دور رہ کر جب اسے اس گناہ کا علم ہو جائے تو دل سے بھی برا نہ جانے اور نہ اس گناہ کرنے والے سے نفرت کرے، گناہ کو گناہ نہ سمجھنے اور گناہ سے نفرت نہ کرنے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ گنہگار کا ہم نوالہ و ہم پیالہ بننے والے میں بھی سنگدلی آجائے گی جیسے کہ بنی اسرائیل کے ہاں ہوا اور اسی عمل کو سزا کے طور پر حضرت داؤدؑ و حضرت سلیمانؑ کے ذریعے ان پر اللہ نے لعنت نازل فرمائی۔

تبلیغ کی برکات: امر بالمعروف اور نہی المنکر سے نہ صرف اوروں کا فائدہ بلکہ یہ فریضہ سرانجام دینے والوں کی بھی دنیوی بھلائی کا باعث بن جاتا ہے اسی بہترین عمل کے بدولت اللہ تعالیٰ آفتوں اور عذابوں کو دور فرمادیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات اور رحمتوں کے نزول کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے' اس عمل کو ترک کرنے سے مصیبتوں اور آفات میں گھرنا یقینی ہوتا ہے یہ تو دنیوی آفات ہیں' روز محشر بھی ایسے لوگوں سے باز پرس ہوگی کہ فلاں موقعہ پر دین کے خلاف کام ہو رہا تھا تم کیوں خاموش رہے یہ شخص جواب دے گا کہ لوگوں کے خوف اور ڈر کی وجہ سے' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بندوں سے ڈرنے کی بجائے میں زیادہ حقدار تھا کہ مجھ سے ڈرتے۔

کفر کی یلغار:

آج دنیا میں باطل قوتیں اور کفر کے علمبردار اپنے بے ہودہ اور کافرانہ عقائد کے پھیلانے کے لئے کیا کچھ نہیں کر رہے پوری دنیا میں اپنے بے بنیاد اور مفروضات پر مبنی مذاہب کے لئے مشنری ادارے قائم کر کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب کی طرف راغب کرنے کے لئے جان و مال کی قربانیاں دے رہے ہیں' اپنے سارے وسائل اسلام کو مٹانے اور اپنے نام نہاد مذاہب کے پھیلانے میں جھونک دیئے' دنیا بھر کے کفار' مسلمانوں کے غلبہ کے خوف سے اسلام کے مقابلہ میں متحد ہو چکے ہیں' ڈرانے' دھمکانے اور حرص و لالچ کے تمام حربے دین اسلام کے خلاف استعمال کر کے مسلم امہ کو آپس میں لڑانے کے بعد فرقوں اور ٹکڑوں میں تقسیم کر رہے ہیں' نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ مسلمان ہر جگہ آپس میں دست بہ گریبان ہیں کسی کی جان' مال وعزت محفوظ نہیں' ہر ایک اپنی مستی میں غرق باقی مسلمانوں سے بے پرواہ دین کے ہر حکم کو اپنی مرضی کے تابع کرنے میں سرگرداں ہے کوئی کسی گناہ یا ظلم و زیادتی کرنے والے کو منع اور روکنا تو درکنار کہ قلبی اور زبانی نفرت اور مذمت کی ہمت اور طاقت بھی جواب دے گئی۔ ان تمام خرابیوں کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اسلام کے نظام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو پس پشت ڈال کر اغیار و کفار کی نقالی میں مگن ہو گئے۔

تبلیغی جماعت:

اللہ بھلا کرے دارالعلوم دیوبند کے روحانی اولاد کے اس گلدستے کا جنہوں نے انتہائی بے سروسامانی میں بستی نظام الدین جیسے جگہ سے بھلائیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے مٹانے کا علم بلند کر کے آج اس کے اثرات نہ صرف مسلم دنیا بلکہ کفر کے وسط میں محسوس ہونے لگے اور مسلمانوں کے خلاف کفر کی یلغار کے سامنے انتہائی خاموشی سے سد سکندری کا کام دے رہی ہے' قابل تحسین ہیں اس جماعت سے منسلک تمام لوگ اور بالخصوص وہ مسلمان جنہوں نے معروفات کی تلقین اور منکرات سے روکنے کی راہ میں اپنی ساری کی ساری زندگیاں وقف کردی ہیں۔

اللہ جل جلالہ' مجھے اور آپ سب کو دعوت الی اللہ کی اہم ذمہ داری کے نبھانے کی توفیق نصیب فرماویں۔ آمین

ڈاکٹر دلشاد بیگم *

سلام کی شرعی اہمیت وفضیلت

السلام علیکم:

السلام علیکم کے لغوی معنی ہے'سلامتی ہو تم پر' اور اصطلاح شریعت میں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ ہو اور آپ پر سلامتی ہو جیسے کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ (خدا حافظ) تو اسی معنی سے السلام علیکم کے معنی ہوئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہمیشہ رہیں' ہر قوم و مذھب میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے' اسی طرح اسلام میں سلام باہمی اخوت و محبت کا قوی اور عظیم وسیلہ ہے' جیسے بعض علماء کا قول ہے کہ سلام ایک ایسی چابی ہے جو دلوں کے تالوں کو کھول کر رکھ دیتی ہے اور دلی کدورتوں کو صاف کرتی ہے' اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آپ کسی سے متعارف ہوں یا نہ ہوں' سب کو سلام کہنا چاہیے اور حدیث ابی ہریرہؓ میں آپؐ نے فرمایا۔

''قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جب تک ایمان نہ لاؤ گے جنت میں داخل نہ ہوسکو گے اور جب تک باہمی محبت نہیں کرو گے ایماندار نہیں ہوسکتے' کیا میں آپ کو ایسا عمل نہ بتاؤں جس کے کرنے سے باہمی محبت زیادہ ہوتی ہے؟ وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام عام کرو'' (رواہ مسلم)

سلام سے نہ صرف محبت بڑھتی ہے بلکہ اس سے ایمان قوی ہوتا ہے اور یہی سلام کہتے ہوئے مومن جنت میں داخل ہوگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام دنیا و آخرت میں باعث سلامتی ہے۔

سلام ایک بہترین اور پاکیزہ تحفہ ہے:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منھا او ردوھا

''تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر''

چنانچہ امت مسلمہ کی باہمی محبت اور الفت کا ذریعہ شریعت اسلامیہ نے یہ قرار دیا ہے کہ جب مسلمان بھائی اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: تھادو اتحابوا

* پرنسپل گورنمنٹ ڈگری گرلز کالج' پشاور

یعنی حدیث سے ثبوت ملتا ہے کہ باہمی محبت بڑھانے کیلئے تحفہ تحائف دیا کرو اور مسلمان کا باہمی ہدیہ اور تحفہ سلام سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مسلمان کی باہمی اور الفت کی پہچان کا واضح ذریعہ سلام ہی ہوسکتا ہے اور اسی طرح کسی کے مسلمان ہونے کی پہچان کا اہم ذریعہ بھی سلام ہی ہوسکتا ہے' چنانچہ خداوند کریم کتاب مقدس میں فرماتے ہیں'

فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم تحیة من عندالله مبارکة طیبة (سورہ النور۔۶۱)

جب تم گھروں میں داخل ہوتو ایک دوسرے پر سلام کہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے' اور یہ سلام جنتیوں کا شعار ہوگا جیسا کہ قرآن مقدس میں ارشاد ہے:

تحیتهم فیها سلام (سورہ نور۔۲۳)

اور ان مبارک کلمات کے ساتھ فرشتے مومنین کا استقبال کریں گے' جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وقال لهم خزنتها سلام علیکم طبتم فادخلوها خلدین (سورہ زمر۔۸۳)

اور یہی وہ ہدیہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے مہمان ان کے لئے لائے تھے' جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذاریات کی آیت نمبر ۲۵ میں بیان کیا ہے:

اذ دخلوا علیه فقالوا سلاماً قال سلام

یعنی جب حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتے بطور مہمان آئے تو آپ پر سلام عرض کیا اور اس کا جواب آپ نے سلام سے ادا کیا۔

سلام مسلمان کے حقوق میں سے ہے:

سلام مسلمان کے حقوق میں سے ایک اہم حق ہے ایک حدیث پاک میں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ''مسلمان کے مسلمان پر جو حقوق ہیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا وہ کون سے حقوق ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جب کسی کو ملے تو سلام کہے جب کوئی دعوت دے تو دعوت قبول کرے' جب کوئی نصیحت کا خواہشمند ہو تو اس کو نصیحت کرے جب کسی کو چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہے' بشرطیکہ چھینکنے والا الحمدللہ کہے' جب کوئی بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کرے' جب کوئی فوت ہوجائے تو اس کا جنازہ پڑھے۔ (صحیح مسلم مع شرح النوری جلد ۱۴' ص ۱۴۳' طبع مصر ۱۹۶۴)

ایک اور حدیث میں یوں وارد ہوا ہے کہ سلام راستہ کے حقوق میں سے ہے' حضرت ابوسعید الخدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''راستے میں بیٹھنے سے پرہیز کرو' صحابہ کرامؓ نے سوال کیا! اے اللہ کے رسولؐ ہمیں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ہم آپس میں باتیں کرتے ہیں' آپؐ نے فرمایا اگر تم بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو پھر راستے کا حق ادا کرو۔ صحابہ نے پوچھا کہ راستے کا کیا حق ہے' اے اللہ کے رسولؐ؟ آپؐ نے فرمایا کہ آنکھوں کا نیچا رکھنا' تکلیف دہ چیز کا دور کرنا' اور سلام کا جواب لوٹانا' اچھی بات کا حکم دینا' اور برائی سے روکنا۔ (مسند احمد' جلد دوم ص ۶۸)

سلام کا آغاز:

سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسے کہ سورۃ حشر کی آخری آیت میں ہے۔

هو الله الذی لااله الا هو الملک القدوس السلام المومن المهيمن العزيز الجبار المتکبر سبحان الله عما يشر کون (سورۃ الحشر آیت ۲۳)

اس آیت اور کتب احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سلام کی مشروعیت کا آغاز تخلیق آدمؑ سے بھی پہلے ہوا ہے جیسا کہ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کا جسم مکمل کیا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا جاؤ اور ان بیٹھے ہوئے فرشتوں پر سلام کہو اور ان کا سلام سنو جو وہ کہیں گے تیرا اور تیری اولاد کا یہی سلام ہوگا' پھر آدم نے السلام علیکم کہا' فرشتوں نے بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔

سلام کی شرعی حیثیت

دراصل سلام کہنا اور اس کا جواب دینا واجب ہے' لیکن بہت سارے علماء جن مین ابن عبدالبر وغیرہ شامل ہیں اس طرف گئے ہیں کہ سلام کہنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ انہوں نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۶ سے استدلال کیا ہے: و اذا حييتم بتحية فحيوا ابا حسن منها او ردوها

اور اسی طرح جب کوئی گھر میں داخل ہو تو اسے سلام کی ابتداء کرنی واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

فاذا دخلتم بيوتا فسلموا على انفسكم۔ (سورۂ نور ۶۱)

اور اس کے علاوہ عام حالات میں اگر ایک جماعت میں سے ایک آدمی بھی سلام کہہ دے تو سب کی طرف سے کافی ہے' کیونکہ اس عام سلام کا حکم علماء کے نزدیک سنت ہے۔ لیکن اگر سب کے سب کہنا چاہیں تو پھر بھی اس میں قباحت نہیں بلکہ یہ صورت بہتر ہے' اسی طرح ایک جماعت پر سلام کہا جائے تو ایک آدمی کا جواب سب کی طرف سے کفایت کرتا ہے اور اگر اکیلا آدمی ہو تو اس پر سلام لوٹانا واجب ہے' بعض علماء کے نزدیک سب پر جواب دینا واجب ہے لیکن راجح یہ ہے کہ ایک آدمی کا جواب دینا اس کے دوسرے سب ساتھیوں کی طرف سے کفایت کرتا ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

يجزی عن الجلوس ان يرد احدهم (الحدیث) (ابوداؤد و شعب الایمان)

جیسے سلام کی اہمیت ملاقات کرتے وقت ہے ایسے ہی رخصت ہونے کی وقت ہے' کیونکہ دونوں کی مستقل ایک حیثیت ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ فلما يسلم عند اللقاء يسلم عند الفراق فان الاولى ليست باحق من الاخرة (ترمذی اردو مترجم طبع لاہور۔ باب استیذان حدیث ۱۶۱۲)

سلام کا مستحق:

• سلام مسلمان کا شعار ہے اور اس شعار کا اہل کوئی کافر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی غیر مسلم سلام کا مستحق ہے' ایک

حدیث میں نبی کریمؐ سے پوچھا گیا

ای الاسلام خیر قال تقر السلام علی من عرفت و من لم تعرف (الحدیث)

(بخاری باب استیذان حدیث ۳۱۹، اردو مترجم)

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو بھی ملے چاہے تمہیں اس کے اسلام کا علم ہو یا نہ ہو اسے سلام کہہ دو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کو اس کے مسلمان ہونے پر کوئی شک نہیں تو اس کو سلام کہو اور عموماً اس حدیث کا مصداق بلاد اسلامیہ پر زیادہ مناسب ہے جہاں کسی غیر مسلم کو پائے جانا احتمال کم ہو اگر کوئی آدمی غیر مسلم ملک میں ہو جہاں کثرت کفار کی ہو اور شکل وصورت میں بھی اشتباہ ہو تو وہاں پہلے تسلی کر کے پھر سلام کہنا چاہیے اگر کوئی شخص مذکورہ حدیث اور سلام کے بارے میں وارد شدہ عام احادیث سے استدلال کر کے غیر مسلمین پر سلام کرنا جائز قرار دیتا ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ حضورؐ نے فرمایا ''سلام کی ابتداء یہود اور نصاریٰ سے مت کرو اور جب ان کو راستے میں ملو تو ان کو ایک طرف چلنے پر مجبور کرو تاکہ وہ تمہارے درمیان حائل نہ ہو اور اگر وہ سلام کہے تو اسکے جواب میں وعلیکم السلام نہیں کہنا چاہیے بلکہ صرف علیکم یا وعلیک کہہ دینا چاہیے کیونکہ ان کی طبیعت میں دھوکہ ہی ہوتا ہے وہ کبھی یہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کی سلامتی کیلئے دعا کرے۔ بلکہ اسکے برعکس چاہتے ہیں جیسا کہ نبی کریمؐ نے فرمایا یعنی جب یہود تمہارے پاس سے گزرتے ہیں تو السام علیکم کہتے ہیں یعنی تمہارے لئے موت کی بددعا کرتے ہیں تم کہہ دیا کرو ''وعلیک'' کہ تم پر ہو (مسلم مع شرح النووی جلد ۱۳، صفحہ ۱۴۲)

سلام کی فضیلت:

چونکہ سلام کے ساتھ باہمی اخوت قوی تر ہوتی ہے اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے اسلئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

ان اولی الناس باللہ من بداھم بالسلام (ابوداؤد مع تہذیب ابن قیم جلد)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین انسان وہ ہے جو سلام کہنے میں پہل کرے۔''

اور دوسری حدیث میں یوں ہے کہ: حضرت عمران بن حصینؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

''ایک آدمی نبی کریمؐ کے پاس آیا اور اس نے ''السلام علیکم'' کہا تو آپؐ نے فرمایا یہ دس نیکیوں کا مستحق ہے، پھر دوسرا شخص آیا اس نے کہا کہ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کے لئے بیس نیکیاں ہیں، پھر تیسرا شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تو آپؐ نے فرمایا اس شخص کو تیس نیکیاں ملی ہیں''

اور ایک دوسری حدیث میں ذکر آتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ (ابوداؤد کتاب ادب ص ۲۶۸)

مجلس سے اٹھتے وقت سلام کرنا:

حضرت ابو ہریرۃؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب کوئی مجلس میں بیٹھنے لگے تو سلام کہہ دے اور جب کوئی اٹھنے لگے تو

بھی سلام کہہ دے' کیونکہ دونوں کی حیثیت مستقل ہے۔(ابوداؤد'باب استیزان ص ۲۶۴)

عورتوں پر سلام کہنے کا حکم:

جہاں تہذیبی مفاسد کا خدشہ نہ ہو وہاں سلام کی مشروعیت میں مرد وزن کا کوئی فرق نہیں' جیسا کہ حدیث پاک سے عورتوں پر نبی کریمؐ کے سلام کہنے کا ثبوت ملتا ہے''حضرت اسمأ بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریمؐ مسجد نبوی سے گزر رہے تھے اور عورتوں کی ایک جماعت کو بیٹھے ہوئے پایا تو ان کو اپنے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔(ترمذی استیزان'ص ۱۶۴) لیکن جب اپنے گھر میں داخل ہوتے ہو تو اہل وعیال پر سلام کہنا بدرجہ اولیٰ بہتر ہے بلکہ ضروری ہے۔

بچوں پر سلام:

حضرت یسار فرماتے ہیں کہ میں حضرت ثابت البنانی کے ساتھ جا رہا تھا کہ راستے میں کچھ بچوں پر گزر ہوا حضرت ثابت نے ان پر سلام کہا' پھر فرمایا کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا کہ آپؓ نے فرمایا کہ میں حضورؐ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپؐ کا کچھ بچوں پر گزر ہوا تو آپؐ نے انہیں السلام علیکم کہا۔(ترمذی کتاب الاستیذان)

'اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کے حقوق میں چھوٹے اور بڑے کی تمیز نہیں کرنی چاہیے البتہ یہ خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ ان بچوں کے اندر سلام کا جواب دینے کی صلاحیت ہو۔

دوسرے کی طرف سلام پہنچانا:

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمان بیان فرماتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ نبی کریمؐ نے انہیں جبرائیلؑ کا سلام پہنچایا تو سیدہ ام المومنین نے جواب میں علیہ السلام ورحمۃ اللہ فرمایا۔

سلام کے متبادل الفاظ:

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اسلامی شعار کی حفاظت کرے اور اسے اسی صورت میں قائم رکھے جیسے کہ نبی کریمؐ نے سکھایا ہے لہٰذا سلام کا کوئی متبادل لفظ جائز نہیں' کیونکہ زمانہ جاہلیت میں اس قسم کی عادت پائی جاتی تھی لیکن آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد تمام عادات کو ختم کر کے صرف سلام سکھایا گیا' جیسا کہ عمرانؓ بن حصین کی حدیث میں ذکر ہے: حضرت عمران فرماتے ہیں کہ

''ہم زمانہ جاہلیت میں کہا کرتے تھے کہ ''اللہ'' تیری وجہ سے ہم پر انعام کرے اور تیری صبح بخیر ہو' لیکن اسلام کے آنے کے بعد ہمیں اس سے روک دیا گیا''

غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب سلام کے لئے السلام علیکم کے علاوہ دوسرے کلمات جو دعا کا مفہوم ادا کرتے ہوں'' جائز نہیں'' تو صرف اشارہ کرنا جو آج کل رواج بن چکا ہے' وہ کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

اسلئے نبی کریمﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لاتسلموا تسليم اليهود فان تسليمهم بالروس و الانف و الاشارة (فتح الباری ج ۲ ص ۴۸۴)

سلام کب جائز نہیں:

سلام کی ممانعت کی حالتیں اگرچہ علماء نے بہت ذکر کیں ہیں، جن میں تلاوت قرآن، کھانا کھانا، جنابت اور قضا، حاجت کی حالت میں شامل ہیں، لیکن حدیث کی جو نصوص ہیں ان میں صرف پیشاب و پاخانہ اور نماز کی حالت میں سلام کہنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ذیل میں بعض روایات پیش خدمت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کہا اور آپ ﷺ پیشاب کی حالت میں تھے جس کی وجہ سے سلام کا جواب نہ دیا۔

اور اسی طرح مسند احمد کی روایت میں نماز کی حالت بیان کی گئی ہے لیکن اس کے بارے میں درج ذیل حدیث کا سہارا بھی لیا جا سکتا ہے، اگر کوئی بھول کر سلام کہہ ڈالے۔

عن عبد الله بن حنظلة بن الراهب ان رجلا سلم على النبى قد قال فلم يرد عليه النبى، حتى قال بيده ان الحائط يعفى انه تيمم (مسند احمد جلد ۵، ۲۲۵)

ان دو روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حالت پیشاب میں سلام کیا تو آپ ﷺ نے اس کا جواب طہارۃ کے بعد دیا۔

سلام کی ابتدا کون کرے:

افضل اخلاق اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان سلام کرنے میں پہل کرے اور حدیث پاک سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا قریب ترین انسان وہ ہے جو سلام میں پہل کرے"

تاہم حدیث نے ترغیب واضح فرمادی ہے:

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ سوار آدمی کو پیدل چلنے والے پر اور چلنے والے کو بیٹھے ہوئے پر اور تھوڑوں کو زیادہ پر سلام کہنا چاہیے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ سوار پیدل چلنے والے سے اچھی حالت میں ہوتا ہے، اور جب وہ اپنے پیدل چلنے والے مسلمان بھائی کی عزت کرتے ہوئے اس کو سلام کہتا ہے تو اس کے دل میں انتہائی خوشی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں ان کی باہمی محبت بڑھتی ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔
مضامین بھیجنے والوں سے گزارش ہے کہ ایک صفحہ پر خوشخط اور اصل مضمون بھیجیں، فوٹو کاپی نہ بھیجیں

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

معزز مہمانان گرامی کی آمد: یکم مئی بروز جمعرات مسلم لیگ (ق) کے مرکزی سیکرٹری جنرل سلیم سیف اللہ اور سابق وفاقی منسٹر سینٹر سید مشاہد حسین دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ اور ان سے مختلف امور پر موجودہ حالات پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ بعد میں ان سب حضرات نے مولانا صاحب مدظلہ کی رہائش گاہ پر موجود صحافیوں سے پریس کانفرنس کی اور ان حضرات کو دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات دکھائے گئے۔ ان حضرات نے دارالعلوم کے مختلف شعبوں کی کارکردگی دیکھ کر نہایت ہی خوشگوار تاثرات کا اظہار کیا۔ اسی طرح جمعیت علماء اسلام کے بزرگ رہنما حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ کے فرزند اکبر حضرت مولانا فداالرحمان درخواستی صاحب بھی یکم مئی کو تشریف لائے۔ آپکے ہمراہ صوبہ سندھ کے امیر جمعیت علماء اسلام مولانا قاری عبدالمنان صاحب اسکے علاوہ ناظم احمد علی اور مولانا عبدالخالق صاحب بھی ان کے ہمراہ تشریف لائے۔

طالب علم عبدالرشید اور مولانا مفتی عبدالرحمٰن حقانی افغانی کا سانحہ ارتحال: دارالعلوم کے درجہ رابعہ کے طالبعلم عبدالرشید گزشتہ دنوں کھیلتے ہوئے عصر کے بعد ریل گاڑی کی زد میں آگئے اور موقع پر ہی شہید ہوئے۔ مرحوم انتہائی محنتی اور شریف طالب علم تھے۔ انکی نماز جنازہ رات ساڑھے بارہ بجے دارالعلوم میں ادا کی گئی اور بعد ازاں میت انکے آبائی گاؤں بھجوادی گئی۔ اس موقع پر دارالعلوم کی فضا انتہائی سوگوار تھی۔ دارالعلوم حقانیہ کے تمام اساتذہ اور طلبہ آپکے اہل خاندان سے تعزیت کیلئے ان کے گاؤں ٹھنڈ کوئی ضلع صوابی تشریف لے گئے۔ اسی طرح دارالعلوم حقانیہ کے انتہائی قابل اور جامع العلوم فاضل مولانا مفتی عبدالرحمٰن حقانی افغانی کا گزشتہ ماہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا اور یہاں اکوڑہ خٹک (دارالہجرت) کے کیمپ میں سپرد خاک کردیئے گئے۔ نماز جنازہ میں دارالعلوم کے اکثر اساتذہ اور طلباء نے شرکت کی۔ مرحوم کچھ عرصہ سے کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا تھے۔

دارالعلوم کے مخلصین کو صدمات: دارالعلوم حقانیہ اور حضرت مولانا عبدالحقؒ کے ایک انتہائی مخلص اور پرستار معتقد حاجی شوکت علی صاحب گزشتہ دنوں انتقال فرماگئے۔ آپ ابھی حال ہی میں حج سے واپس تشریف لائے تھے کہ اچانک معمولی بیمار ہوئے اور یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ آپ نہایت ہی عابد' زاہد' پرہیز گار انسان تھے' اور حضرت مولاناؒ کیساتھ آپکی عقیدت اور تعلق ایک مثالی تھا۔ عمر بھر دارالعلوم اور حضرت مولانا کے خانوادہ کیساتھ تعلق خاطر نباہ رکھا۔ اسی طرح لاہور کے حاجی صمد صاحب جو کہ دارالعلوم کے اکابرین کیساتھ دیرینہ رفاقت و تعلق رکھتے ہیں انکی زوجہ محترمہ بھی گزشتہ دنوں طویل علالت کے بعد لاہور میں انتقال فرما گئیں۔ ادارہ حاجی عبدالصمد صاحب' حاجی شوکت صاحب' شہید طالب علم عبدالرشید اور مفتی عبدالرحمان صاحب حقانی کے تمام سوگوار پسماندگان کے ساتھ دلی تعزیت کرتا ہے اور قارئین سے ان کیلئے دعائے مغفرت کی اپیل کی جاتی ہے۔

م۔ا۔ف
مولانا عرفان الحق

تبصرہ کتب

کتاب: خطبات علی میاں (تین حصے) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ
مرتب و جامع: مولانا محمد رمضان میاں صاحب ناشر: دارالاشاعت اردو بازار۔ایم۔اے جناح روڈ کراچی

مفکر اسلام علامہ سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ جن کو دنیا ''علی میاں'' کے نام سے جانتی ہے' کی شخصیت نہ صرف برصغیر بلکہ چار دانگ عالم میں نمایاں ہے ایک عالم آپ کی علمی تاریخی اور ادبی وسیاسی خدمات کا نہ صرف معترف بلکہ آپ کی ذات والاصفات کا گرویدہ ہے آپ نہ صرف ایک عظیم اور نابغہ روزگار اہل قلم تھے اور عربی وفارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا بلکہ ایک لاجواب خطیب اور مدلل اور دھیمے انداز میں لاکھوں کے مجمع میں ان من البیان لسحرا کے مصداق لاثانی مقرر بھی تھے۔آپ نے اسلام کے ابدی پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔عرب وعجم اور یورپ غرض دنیا کا کوئی خطہ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے محروم اور آپ کی نواہائے سحری کی تپش سے بے بہرہ نہیں رہا۔آپ نے ایک قابل رشک علمی اور روحانی زندگی گزاری اور آج آپ کی تصنیفات وتالیفات دنیا کی مختلف زبانوں میں موجود ہیں اور اس بحر ناپیدا کنار سے اپنی تشنہ کامی کا مداوا کر رہے ہیں۔

آپ کے خطبات وتقاریر مختلف ادوار میں آپ کی حیات ہی میں تعمیر حیات الحق دارالعلوم' الندوہ' البعث الاسلامی اور برصغیر کے علاوہ عالم عربی کے مختلف رسائل وجرائد میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے اور اسی طرح ان تقاریر و خطبات کے مجموعے بھی لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئے ہیں۔عربی زبان میں ان کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اس کے علاوہ فارسی، ترکی، انگریزی اور دیگر بین الاقوامی زبانوں میں ان خطبات کے مجموعے گردش میں ہیں۔بقول مولانا یوسف لدھیانوی'' ''حضرت مولانا نے مشرق ومغرب اور عرب وعجم میں مسلسل اسلام کی دعوت کا صور پھونکا ہے۔اور وہ پوری دنیا کو اسلام کے خوانِ یغما پر جمع ہونے کی دعوت دے رہے ہیں' وہ ہمیں کبھی لندن وامریکہ پہنچ کر مغرب سے صاف صاف باتیں کرتے نظر آتے ہیں کبھی قاہرہ میں اسمعی یا مصر کی اذان دیتے ہیں اور کبھی اسمعو ھا منی صریحۃ ایھا العرب کے ذریعے معدن اسلام عرب کے نمائندوں کو جھنجھوڑتے ہیں، کبھی دریائے کابل سے دریائے یرموک تک پہنچ کر عالم اسلام کے مقتداؤں کو بیدار کرتے ہیں کبھی انہیں اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اثر کی کہانی سناتے ہیں جس کا ایک

رخ وجد آفریں تو دوسرا خون افشاں، کبھی ان کے سامنے تاریخ دعوت وعزیمت کھول کر رکھتے ہیں کبھی انہیں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش کے ہولناک پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں کبھی انہیں آج کے نظریاتی قافلوں سے ہٹ کر کاروان مدینہ میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ الغرض مولانا کی دعوت شرق وغرب عرب وعجم اور افریقہ وایشیا کی حد بندیوں سے بالاتر ہے وہ پوری انسانیت کو سسکتی بلکتی انسانیت کو مادی زخموں سے چُور چُور انسانیت کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستگی کی دعوت دیتے ہیں'' (شخصیات وتاثرات ج۱، ص۴۱۰ بحوالہ خطبات ج۱، ص۲۳)

زیر تبصرہ مجموعہ تین حصوں پر مشتمل ہے جلد اول تعلیم وتعلم سے متعلق، جلد دوم دعوت وعزیمت اور جلد سوم ہدایت تبلیغ کے بارے میں ہے پہلے حصے میں تعلیم وتعلم کے متعلق ۲۹ خطبات وتقاریر جبکہ دوسری جلد میں دعوت وعزیمت کے موضوع کے تحت ۳۰ تقاریر وخطابات ہیں۔ آخری حصہ میں ہدایت تبلیغ کے زیر عنوان ۳۹ تقاریر ہیں۔

کتاب کے مرتب مولانا محمد رمضان میاں نے صاحب خطبات سے جس عقیدت اور محبت کا اظہار کیا ہے اس کی جھلک کتاب کی ترتیب وتبویب اور طباعت سے نمایاں ہے۔ بلاشبہ اس عظیم شخصیت کی پراثر تقریروں اور حسین خطبات کے لئے ایسی ہی دلآویز و دلکش طباعت شایانِ شان ہے۔ (م۔ا۔ف)

ماہنامہ انوار القرآن (حافظ الحدیث نمبر خصوصی اشاعت) اگست تا اکتوبر نومبر ۲۰۰۲ء۔ (شمارہ ۷ تا ۱۰)

زیر سرپرستی: جانشین حضرت درخواستی مولانا فداء الرحمٰن درخواستی صاحب مدظلہ

مدیر: مولانا عبدالرشید انصاری ضخامت: ۷۰۴ صفحات قیمت: ۳۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: جامعہ انوار القران 1-C-11 نارتھ کراچی

حافظ القرآن والحدیث امام الصلحاء حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی قدس سرہ اس مملکت خداداد پاکستان میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی تھے۔ وہ ولی کامل، قطب وقت اور علوم ظاہریہ کے ساتھ ساتھ علوم باطنیہ کے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز تھے۔ لیکن ان کی سب سے بڑی اور منفرد صفت یہ تھی کہ آپ اپنے وقت اور اپنے دور کے واحد حافظ الحدیث تھے جن کو ہزاروں احادیث متناً وسنداً ازبر تھیں۔ آپ کو اللہ نے علوم باطنیہ اور علوم ظاہریہ میں ممتاز مقام کا حامل قرار فرمایا تھا اور درس وتدریس بیعت وارشاد وتبلیغ دین کے ساتھ ساتھ آپ نے ملکی سیاست میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ تحریک استخلاص وطن، تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور حصہ لیا اور اس وادی پرخار میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تادم واپسیں جمعیت العلماء اسلام کے امیر رہے اور آپ کی زیر سرپرستی علماء حق کا کارواں منزل بہ منزل ترقی کے منازل طے کرتا رہا۔

آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد اس بات کی اہمیت بڑھ گئی کہ آپ کے جانشین حضرت مولانا فداء الرحمٰن صاحب درخواستی مدظلہ کی زیر پرستی ونگرانی مؤقر جریدہ ماہنامہ انوار القرآن ایک خصوصی شمارہ حضرت درخواستیؒ کے سوانح و کمالات علمی فیوضات سلوک وتصوف بیعت وارشاد ملک میں نفاذِ شریعت اور ملک و بیرون ملک دعوت وتبلیغ کے متعلق خدمات وران کی گوناگوں صفات پر ایک جامع دستاویز شائع کرے۔ چنانچہ مولانا عبدالرشید انصاری کے زیر ادارت ایک ایسا تاریخی مرقع گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن کے مصداق مختلف النوع مضامین کی شکل میں آیا ہے جس سے حضرت امام العلماء محبوب الصلحاء الاتقیاء شیخ الاسلام شیخ القرآن والحدیث عبداللہ درخواستی صاحب قدس سرہ کی شخصیت کے مختلف گوشے اردو دان طبقہ کے سامنے آئے ہیں اور جو حضرات آپ کے دیدار سے شادکام ہوتے رہے۔ اس خصوصی اشاعت میں ان کو آپ کے اقوال وارشادات پڑھ کر آپ کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

گلدستہ حیات کے زیر عنوان آپ کے جانشین حضرت مولانا فداء الرحمٰن صاحب درخواستی کا مفصل مضمون گویا ایک مستقل کتاب ہے جس میں حضرت درخواستی صاحب قدس سرہ کے مختلف ملفوظات وعلمی کمالات اور سلاسل سند احادیث اور سلاسل بیعت وسلوک اور عقائد آئے ہیں۔ موصوف نے یہ گلدستہ واقعی خون جگر سے تیار کیا ہے۔ جانشین درخواستی مولانا فداالرحمان صاحب درخواستی، مدیر محترم مولانا عبدالرشید صاحب انصاری، انوار القرآن کے جملہ اراکین داد وتحسین اور ہدیہ تبریک کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ جنہوں نے حضرت درخواستی کی شایان شان ایک تاریخی علمی اور تحقیقی دستاویز مرتب کی۔ امید ہے کہ مولانا فداء الرحمٰن صاحب درخواستی اپنے عظیم اور نابغہ روزگار والد محترم قدس سرہ کے دیگر علوم ومعارف بھی عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ تاکہ معارفِ درخواستیؒ کے بحر بیکراں سے تشنگانِ علوم سیراب ہوسکیں۔　　(م-ا-ف)

ماہنامہ آب حیات لاہور (شمارہ مئی ۲۰۰۳)　　خصوصی شمارہ: سیرت النبی کا عسکری پہلو اور عصر حاضر

مدیر اعلیٰ: مولانا محمود الرشید حدوٹی　　ضخامت: ۱۷۲ صفحات　　قیمت: ۳۰ روپے

خط وکتابت کا پتہ: 　جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن فیروز پور روڈ لاہور

زیر تبصرہ ماہنامہ آب حیات کا یہ خصوصی شمارہ ''سیرت النبی کا عسکری پہلو اور عصر حاضر'' کے متعلق ہے' عالم اسلام کی مجموعی صورتحال کو دیکھتے ہوئے فاضل مدیر کی طرف سے اس موضوع کا انتخاب اور اسکے متعلق مضامین ومقالات انتہائی موزوں اور بروقت فیصلہ ہے فی الوقت جبکہ تمام عالم کفر ملت اسلامیہ کیخلاف برسرپیکار ہے اور اپنی آزادی خودمختاری اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کیلئے جہاد کرنے والوں کو دہشتگرد گردانا جارہا ہے اور انکے خلاف انتہائی زہریلا پروپیگنڈہ منظم انداز میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر پھیلایا جارہا ہے' ضرورت اس امر کی ہے کہ کہیں مسلمان جہاد کی اہمیت اور

ضرورت سے غافل نہ ہوں اور بالخلوص قرآن اور حضور اقدسؐ جو معرکہ رحمت کائنات اور رحمۃ للعالمین ہیں ان کی سیرت طیبہ کے حوالے سے جہاد اور اس کی ضرورت پر مسلمانوں کو توجہ دنیا انتہائی مفید امر ہے اس خصوصی اشاعت میں موضوع کے متعلق تمام مضامین بہت ہی اہم اور معلومات افزا ہیں فاضل مدیر نے اس طویل اور تفصیل طلب موضوع کو دریا بکوزہ اندر کے مصداق مختصر صفحات میں سمیٹ کر کمال مہارت کا ثبوت دیا ہے امید ہے کہ اراکین و ادارہ رسالہ کے اسی معیار کو برقرار رکھیں گے۔

زیر نظر پرچہ میں اگر معیاری کاغذ استعمال ہوتا تو پرچے میں باطنی خوبصورتی کیساتھ ظاہری حسن بھی نکھر آتا۔علاوہ ازیں بجائے کثیر اشتہارات اگر مزید مضامین کا اضافہ کیا جاتا تو اس سے پرچے کی افادیت کئی گنا زیادہ ہو جاتی۔بہر حال ادارہ کی یہ کاوش قابل تحسین ہے اور سیرت النبیؐ کے متعلق کتب اور لٹریچر میں یہ ایک بہترین اضافہ ہے۔(م۔ا۔ف)

کتاب: حیلے اور بہانے تصنیف: مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ضخامت: 120 صفحات ناشر: مبین ٹرسٹ پوسٹ بکس نمبر 470 اسلام آباد۔44000

حضرت مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں' ان کا نام آتے ہی اخلاص سوز و گداز تعلیم و تدریس فقہ و افتاء تصنیف و تالیف بحث و تحقیق اصلاح ظاہر و باطن احقاق حق اللہ تعالیٰ کے دین کی خیر خواہی اور تبلیغ مدافعت کا روشن تصور مجسم ہو کر سامنے آجاتا ہے' خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

زیر نظر کتاب حیلے اور بہانے میں مصنف نے ان مشہور اور عام حیلوں او بہانوں کا احاطہ کیا ہے جنہیں عام طور پر لوگ حجت اور دلیل بنا کر اسلامی احکامات پر عمل کرنے سے پہلو تہی برتتے ہیں۔نفس اور شیطان انسان کے دو داخلی اور خارجی دشمن ہیں جو انسان کو ورغلا کر حیلے اور بہانے تراش کر اسے راہ حق سے بھٹکاتے ہیں اور تباہی کے گڑھے میں گرا کر رکھ دیتے ہیں۔خود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان اعدا عدوک نفسک التی بین جنبیک ترجمہ: ''یہ تیرا نفس جو تیرے پہلو میں ہے سب سے بڑھ کر تیرا دشمن ہے۔'' اس طرح شیطان لعین بھی جب حق جل مجدہ کے دربار سے مردود قرار پایا تو اس نے انسان دشمنی اور اسے بھٹکانے کی قسم کھائی۔ مولانا مہاجر مدنیؒ نے اس کتاب میں ۶۷ حیلوں اور بہانوں کا ذکر کر کے شرعاً و عقلاً اس کی پرزور مذمت کی ہے

افادہ عام کیلئے کتاب کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے۔مبین ٹرسٹ نے اس کتاب کو عمدہ آرٹ پیپر' شاندار کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کر کے چار چاند لگا دیئے اگر تمام دینی کتب اسی معیار اور انداز سے شائع ہوں تو کیا خوب۔ (عرفان الحق حقانی)

کتاب: فضائل دعا (جلد اول) مرتب: الحاج ابراہیم یوسف باوا رنگونی مدظلہ
صفحات۔ 419 ناشر: ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر برطانیہ۔
پاکستان میں ملنے کا پتہ: حافظ عبدالرحیم میاں ۱۱۱۔ ایف ۳۔۲ ناظم آباد ۳ کراچی نمبر ۱۸

یورپ کی ظلمتوں مادیت کی یلغار خدا سے انکار انسانی اقدار سے فرار شرم وحیا اور شرافت سے بغاوت اور بہیمت و درندگی کے سیاہ اور فرسودہ و متعفن ماحول میں دعوت و تبلیغ اصلاح و ارشاد اور تصنیف و تالیف کا کام نہ صرف مشکل بلکہ انتہائی کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے۔ ہمارے بزرگ الحاج ابراہیم یوسف باوا رنگونی مدظلہ گزشتہ کئی عشروں سے یہ عظیم کام اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر باحسن وخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ کتاب فضائل دعا (جلد اول) ان کی دینی اصلاحی کتب کی زنجیر کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا کرنا ایسا کامیاب اور عجیب عمل ہے کہ اس کے ذریعے جہاں انسان کی حاجات اور مرادیں پوری ہوتی ہیں وہاں بجائے خود بھی قیمتی عبادت ہیں۔ کون سا انسان ایسا ہے جس کا کوئی مسئلہ نہ ہو۔ اور یا اسے کوئی پریشانی لاحق نہ ہوتی ہو۔ ایسے مواقع پر لوگ عموماً ظاہری اسباب کی طرف زیادہ زور دیتے ہیں۔ اگر چہ یہ اسباب اختیار کرنا بھی لازمی اور ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مالک الملک والملکوت ذات کی طرف متوجہ ہو کر تضرع وزاری کے ساتھ مانگنا کامیابی و کامرانی کا بہترین زینہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ادعونی استجب لکم مجھے ہی سے مانگو میں ہی تمہیں دوں گا۔

ہر گھڑی دینے کو تو تیار ہے
جو نہ مانگے اس سے تو بیزار ہے

قبولیت دعا کے لئے اسکے احکام وشرائط اور آداب بجالانا لابدی امر ہے۔ الحاج ابراہیم یوسف باوا رنگونی مدظلہ کی یہ کتاب اسی سلسلے اور موضوع کی بہترین اور مفصل کاوش ہے۔ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے جو ٹائٹیل پر واضح نمایاں عنوانات کے تحت قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ابواب کے مندرجات یوں ہیں۔ (۱): دعا اور اس کے احکامات وآداب۔ (۲) قرآن مجید کی دعائیں اور واقعات (۳) اسماء الحسنیٰ کی خاصیات وفوائد۔ (۴) اسم اعظم کے فضائل وفوائد (۵) اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات (۶) درود وسلام کے فضائل وفوائد (۷) توبہ واستغفار کے فضائل یہ کتاب مرتب کی اڑتیس (۳۸) سالہ ان تھک محنت کے بعد قاری کے ہاتھ تک پہنچی ہے۔ جس عرقریزی اور کاوش ومحنت حسن ترتیب، سلیقہ اور جامع انداز سے کتاب منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے اس سے مرتب کا حسن ذوق جھلکتا ہے۔
کاغذ، کتابت، طباعت اور جلد بندی دیدہ زیب، خوبصورت اور ہر لحاظ سے معیاری ہے۔ (عرفان الحق حقانی)

اہم اور جدید مسائل پر مشتمل علمی، تحقیقی اور فکر اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی ''المباحث الاسلامیہ'' رئیس التحریر مولانا سید نصیب علی شاہ الہاشمی

زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے، جس میں قابلِ تحقیق اہم اور ضروری مسائل پر علمی بحث و رسفارشات، ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل کا فقہی حل، سائنس اور ٹیکنالوجی کی تحقیق اور تخلیق سے پیش آنے والے مسائل کا فقہی حل، اسلامی فکر و نظر کے مختلف ضروری جہات پر مضامین کی اشاعت، سود کی آلائشوں سے پاک معیشت کے قیام کے لئے حل طلب مختلف جہات پر بحث و تحقیق اور مختلف فقہی مجالس و مذاکرات و کانفرنس کے مقالات اور علمی سفارشات شاملِ اشاعت ہوں گے۔

آپ خود بھی فارم رکنیت پُر کر کے ممبر بنیں اور حلقہ اثر و رسوخ میں اس خالص علمی مجلہ کی اشاعت کو کامیاب بنانے کے لئے احباب و رفقاء کو بھی خریدار بنا کر اس اہم علمی خدمت میں ہمارا ساتھ دیں۔ آپ کے خالص علمی و تحقیقی مضامین کی فراہمی، اشتہارات، بہترین تجاویز اور قابل عمل مشوروں کا ادارہ منتظر رہے گا۔ اہل خیر زیادہ تعداد میں خرید کر بطور صدقہ تقسیم کریں۔ فی شمارہ 50 روپے اور زر سالانہ 200 روپے۔ رقوم دستی، بذریعہ ڈاک، بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی شکل میں ارسال فرمادیں۔ اکاؤنٹ نمبر : 1813 - HBL حبیب بینک لکی گیٹ بنوں۔

ترسیل زر کا پتہ : دفتر سہ ماہی المباحث الاسلامیہ جامعۃ المرکز الاسلامی ڈیرہ روڈ پوسٹ بکس نمبر 33 بنوں،

فون : 0928-310353 فیکس : 310355

ای میل : almarkazulislami@maktoob.com

سلسلہ مطبوعات موتمر المصنفین (29)

اقتدار کے ایوانوں میں

شریعت بل کا معرکہ

......از

مولانا سمیع الحق

ملک کی تاریخ میں نفاذ شریعت کی جدو جہد کا روشن باب' ایوان بالا سینیٹ اور قومی سیاست میں نظام اسلام کی جنگ' آغاز' رفتار کار' صبر آزما مراحل کی لمحہ بہ لمحہ روئیداد اور مستقبل کے لائحہ عمل کے علاوہ خارجہ پالیسی' عورت کی حکمرانی' جہاد افغانستان اور اہم قومی و ملی اور بین الاقوامی مسائل پر فکر انگیز گفتگو اور سیر حاصل تبصرے۔

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

نئی صدی، نئی سوچ، نیا انداز

آپ کا پسندیدہ مشروب

رُوح افزا

خوب صورت اور مضبوط، ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ

'PET' بوتل

میں دستیاب ہے

اور ہاں! ہر 'PET' بوتل میں 50 ملی لیٹر زیادہ رُوح افزا بھی

راحتِ جاں

رُوح افزا

مشروبِ مشرق

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

Adarts-HRA-5/2001 Adarts-HRA-5/2001

ضروری اعلان

مُحدّثِ اعظم، مُفسّرِ کبیر، مُصنّفِ انخم، ترمذیٔ وقت

حضرتِ مولانا محمّد موسیٰ روحانی بازی

طیّب اللہ آثارہٗ وأعلیٰ درجاتہٗ فی دار السّلام

کی سوانح حیات تکمیل کے مراحل میں ہے جو احباب حضرت سے متعلق اپنی تحریر شامل اشاعت کروانا چاہتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ اپنے مضامین و واقعات وغیرہ ۱۵ جولائی تک مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرمادیں۔

مولانا محمد زبیر البازی

استاذ الفنون جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

بلاشبہ سود کھانا اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے

خوشخبری

الاتحاد کارپوریشن ایک کاروباری ادارہ ہے جو

سود سے پاک سرمایہ کاری

کرنے کا پابند ہے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز نے فیصلہ کیا ہے کہ **اسلام آباد**، **راولپنڈی** اور **مضافات** میں سستی اراضی خرید کر مختلف رہائشی منصوبہ جات نئی رہائشی کالونیز، کمرشل مارکیٹس کی تعمیر زرعی زمینوں، فلیٹس اور مکانات کی خرید و فروخت میں سرمایہ کاری کرے اور سود کی لعنت سے چھٹکارا چاہنے والے مسلمانوں کو بھی سرمایہ کاری کا موقع بھی فراہم کیا جائے اور پہلے سے جاری شدہ منصوبہ جات میں نفع و نقصان کی بنیاد پر حصہ داری کیلئے کم قیمت کے شراکتی حصص جاری کئے جائیں۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے فیصلے کے مطابق

کم قیمت کے شراکتی حصص

جاری کئے جارہے ہیں۔ لہذا

حلال محفوظ اور سود کی ملاوٹ سے پاک سرمایہ کاری

شیئرز خود بھی خریدیئے اور اپنے احباب کو دعوت دیجئے!

- بنیادی طور پر کم از کم **10** شیئرز خریدنے کی درخواست دی جاسکتی ہے۔
- خواہشمند خواتین و حضرات درج ذیل پتہ سے درخواست فارم **مفت** منگوا سکتے ہیں۔
- سال کے اختتام پر مکمل حساب پیش کر کے منافع شیئر ہولڈرز میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ شرح منافع **20** سے **30** فیصد تک متوقع ہے۔
- کارپوریشن **15** دن کے اندر اندر حصص سرٹیفکیٹس جاری کرنے کی پابند ہوگی۔
- شیئرز قابل فروخت اور قابل انتقال ہونگے لیکن کارپوریشن کو مطلع کرنا ضروری ہوگا۔
- فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق کیا جائے گا۔

پروفیشنل اور تجربہ کار ٹاؤن پلانرز کے زیر نگرانی عظیم الشان رہائشی منصوبہ جات

اسلام آباد موٹروے سٹی جماعت اسلامی کے مجوزہ مرکز **قرطبہ سٹی** اور تعمیر ملت ایجوکیشن سٹی (شفا انٹرنیشنل ہسپتال اسلام آباد) کے درمیان اور نیو انٹرنیشنل اسلام آباد ایئرپورٹ اور بین الاقوامی شاہراہ **موٹروے** کے قریب واقع ہے۔

بکنگ جاری ہے

اسلام آباد موٹروے سٹی

(خیبر بلاک)

سائز پلاٹس			
رہائشی پلاٹس	5 مرلہ	10 مرلہ	1 کنال
زرعی فارم	5 کنال	10 کنال	20 کنال

کمرشل پلاٹس	
سائز 20x10	نقد ادائیگی پر رعایتی قیمت 30 ہزار روپے
سائز 30x12	نقد ادائیگی پر رعایتی قیمت 50 ہزار روپے

قیمت اور طریقہ ادائیگی

قیمت	ایڈوانس	ماہانہ قسط
10,000 روپے فی مرلہ	1,000 روپے فی مرلہ	100 روپے فی مرلہ
رجسٹری	کل قیمت کا نصف یکمشت ادا کرنے پر 15 دن میں رجسٹری	
نوٹ	کارنر اور ڈبل روڈ فیسنگ پلاٹ پر دس فیصد زائد قیمت	

5 مرلہ، 7 مرلہ اور 10 مرلہ کے پلاٹس پر رہائشی مکان تعمیر کر کے آسان اقساط پر فروخت کئے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

مزید تفصیلات کے لئے:

الاتحاد کارپوریشن

7۔ دبئی پلازہ سکستھ روڈ چوک، مری روڈ، راولپنڈی
ڈرافٹ بنام اکاؤنٹ نمبر 4137-69 حبیب بنک رحمن آباد برانچ مری روڈ راولپنڈی

محمد نصیر خان مروت
چیف ایگزیکٹو

فون: 051-4581451 موبائل: 0333-5111385 ای میل: al_ittehad@hotmail.com

Designed by: SUTOOR Grafix: 0303 - 651 39 66